

و اکٹر محمد علی اثر معادن پروفیسرشعبہ ٔ اُردوجامعہ عثانیہ

A ec No.

نام كتاب

مصنف

ىم ورق

جمله حقوق محفوظ

: مقالاتِ اثر : مجمد على آثر

اشاعت : و۲۰۰۰ء

. : سلام خوش نویس

كېيوٹر كتابت : محمرٌ ذكى الدين ليافت بون : 4577739

طباعت : دائره آفسٹ پرلیں، چھتہ بازار، حیدر آباد قیمت : ایک سوپچاس رویے

حيدر آباد ـ 500002 فوك : 4560338

MAQUALAT-E-ASAR

By Dr. MOHAMMAD ALI ASAR Nishath Publishers, 20-4-226/9 Mehboob Chowk, Hyderabad-2 Price: Rs. 150/- Rel.: 2000

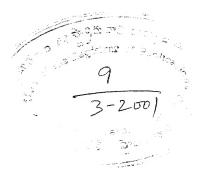
منتنے نئے پتے: او حمامی بک ڈیو۔ چس کمان۔ حیدر آباد ۲۔ بک ڈیوانجمن ترقی اردو۔ حمایت گر۔ حیدر آباد ۳۔ مکتبہ جامعہ لمیٹار۔ دہلی۔ ممبئی۔ علی گڑھ

انتساب

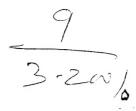
کہکشال اور فراز کے نام

رٹے ہوسب میں تم دونوں رٹای ہیں تم سے امیدیں

محمد على آثر







حرف إول

پیش نظر کتاب راقم السطور کے تحقیقی و تقیدی مضامین کا چوتھا مجموعہ ہے۔
یہ مضامین گذشتہ چار ، پانچ برسول کے دوران ہندوپاک کے مختلف ادبی اور تحقیقی
رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے بھن مقالات اشاعت سے قبل مختلف
سینارول میں پڑھے جاچکے ہیں اور بھن مدیران رسائل کی فرمائش پر لکھے گئے ہیں
اور پچھ تدریی ضروریات کے پیشِ نظر سپر د قرطاس کیے گئے ہیں۔ چند مضامین ایسے
بھی ہیں جنھیں مختلف جامعات نے اپنی درس کتابوں میں شامل کر لیے ہیں۔ کتابی صورت
میں پیش کرتے ہوئے بیش ترمضامین پر نظر ٹانی کی گئی ہے۔

میں پروفیسر سلیمان اطهر جاوید کا ممنون کرم ہوں کہ انھوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس کتاب کے مضامین کا مطالعہ کرنے کی زحت کی اور اپنے ہیش بہا تا ٹرانت سے سر فراز فرمایا۔

رفتی درینہ اور شاعر خوش فکر جناب سید بھارت علی کا بھی شکر گزار ہوں جفوں نے مفامین کے امتخاب اور تر تیب میں میرے ساتھ تعاون کیا۔ برادرم جناب فاروق شکیل سے بھی اظہار ممنونیت ضروری ہے جفوں نے اس کتاب کی اشاعت کے سلمہ میں ایک خوب صورت قطعہ تاریخ تحریر کیا۔ جناب محمد ذکی الدین لیافت نے اس کتاب کی کمپیوٹر کتابت بڑی احتیاط اور توجہ سے کی میں ان کا بھی شکریہ اواکر تاہوں۔ میں اپنے فرزندوں محمد عادل فراز اور محربیل افروز کے لیے بھی دعا گوہوں جھوں نے اس کتاب کی اشاعت کے مختلف مراحل میں میرا ہاتھ بنایا۔

فهرست

4	حرنبياوّل
۸	پیش گفتار: پروفیسر سلیمان اطهر جاوید
11	همجری اُر دو
۲۱	ست ملک محمود جوہر اور مثنوی اشتیاق نامه
7 9	على عاول شاه خانی شاہی
٣,٢	عهد ِعثمانی کا اُردو ادب
۵ +	تېنىت النساء ئېگم اور ان كى نعتبيە شاعرى
41	نظيراكبر آبادي _ شخص اور شاعر
•	
49	داستانوں میں متہذیبی عناصر

رام پور کی د استانیس

Λ9	پر یم چند نے افسالوں کا تفدیدی مطالعہ
1+1"	علی گڑھ تحریک
111	المجمن پنجاب
111	ڈاکٹر کی زور کی نقار برو خطبات
100	و اکٹر زور بہ حیثیت مکتوب نگار

119

140

ادبی تاریخ نولی کی روایت اور ڈاکٹر زور

ڈاکٹر زور بہ حیثیت مدوّن متن

قطعه تاريخ تصنيف

برو فيسرسليمان اطهرجاويد

يبش گفتار

د کنیات کے تعلق سے تلاش تحقیق کی جو روایات مولوی عبدالحق ، ڈاکٹر زور ، پروفیسر سروری اور ان کے رفقاء نے قائم کی تھیں، عصر حاضر میں ان روایات کی پاسداری کرنے والول میں ایک نمایاں نام ڈاکٹر محد علی آثر کا ہے۔ محمد علی آثر نے د کنیات میں کئی بینادی اور امتیازی کام کئے ہیں۔ غواصی کی حیات و فن ، دکنی غزل ، دکنی مثنویوں وغیرہ پر ان کی کتائیں گرال قدر حیثیت رکھتی ہیں۔ دکنی اردو کے اور کئی شاعروں وغیرہ کے بارے میں ان کے تحقیقی اور تنقیدی مضامین کے مجموعے جیسے '' د کنی شاعری تحقیق و تقید''، '' تحقیقی نقوش ''اور ''نوادراتِ تحقیق ''شالع ہو چکے ہیں۔ جن میں عصری اُردو کے فن کاروں اور موضوعات پر بھی مضامین شامل ہیں۔ڈاکٹر آثر کا ا یک قابل ذکر کام '' د کنی اور د کنیات'' (متعلقه کتابوں کی وضاحتی فیمرست) ہے۔جس کی ادبی حلقوں میں غیر معمولی پذیرائی ہوئی اور مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد (پاکتان) نے اس کا دوسرا ایریشن شائع کیا۔ محد علی آثر کی ایک خصوصیت بیہ بھی ہے کہ اپنی ناسازی طبع کے باوجود لکھنے لکھانے کا کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ای جذبہ و شوق کے ساتھ !۔۔۔۔اوراب وہ اپنے تحقیقی اور تنقیدی مضامین کا ایک اور مجموعہ ''مقالاتِ اڑ'' شائع کررہے ہیں جس میں زور صاحب پر مخملہ (۴) کے آفری دو مضامین شامل کرلیں تو د کنیات پر مضامین کی تعداد (۵) ہو جاتی ہے گویا اس کتاب میں مشمو یہ (۱۵) مضامین کے صرف (۵) کا تعلق و کنیات ہے ہے۔ ملک محمود جوہر کی حیات اور اس کی

مثنوی"اشتیاق نامہ"کے بارے میں ڈاکٹر آٹر نے کافی چھان تین کی ہے۔ زور صاحب اور نصیر الدین ہاشمی صاحب نے جو ہر کے حالاتِ زندگی کے بارے میں بالتر تیب یمی لکھ دیا کہ ''ان کا ذکر حیدر آباد کی تاریخوں اور تذکروں میں تہیں نظرے نہیں گزرا۔ اور ''ان کے حالات کی تذکرہ میں درج نہیں ہیں'' لیکن ڈاکٹر آثر نے ''عروس الاذ کار''،'' تاریخ النوائط"،"كيفيت وحالات روسائے ميكن يلي "اور خود جو ہر كى مثنوى "جو ہر عشق" سے معتد بہ حالات فراہم کر لیے و نیز جوہر کے کلام وغیرہ کے بارے میں انھوں نے زور صاحب ، ہاشمی صاحب اور افسر صدیقی امر وہوی صاحب سے اختلاف کرتے ہوئے نہایت مدلل اور معقول انداز میں اپنی بات پیش کی ہے جو تاحال تحقیقات کی روشنی میں اپنا اعتبار رکھتی ہے۔ڈاکٹر آثر نے گجری اُر دو کے بارے میں بھی جو حث کی ہے وہ بھی خاصے کی چیز ہے اور نتیجہ خیز بیرا یک اہم مضمون ہے کہ آثر نے اپنے خیالات کا دوٹوک اظہار كرتے ہوئے مهال كسى سے اختلاف كياہے دليل اور ثبوت سے صرف نظر مہيں كيا۔ علیٰ عادل شاہ ٹانی شاہتی اور نظیراکبر آبادی ۔ مخص اور شاعر تحقیق کم اور تنقیدی اور تشریکی مضامین ہیں ، شاہی کی شاعری کا اچھا جائزہ ہے۔ادبل تاریخ نولی کی روایت اور ڈا کٹر زوراور ڈاکٹر زور کے بقروین کارناہے بھی اسی نوعیت کے مضامین ہیں اور اچھے ہیں ، البته ڈاکٹر زور کی مکتوب نگاری اور ان کی نقار پروخطبات کا جائزہ زور صاحب کی شخصیت پر ا یک نے زاویہ سے روشنی ڈالٹا ہے۔ تہنیت النساء پیم کی نعتیہ شاعری میں بھی موضوع سے انصاف کیا گیاہے۔ عہدِ عثانی کے اردوادب، داستانوں، پریم چند کی افسانہ نگاری، علی گڑھ تحریک ،اور انجمن پنجاب پر ، ہر چند کہ ہمارے ہاں کی اصحاب نے قلم اٹھایا ہے ، نے زاویوں سے کام لیااور نے گوشے تلاش کیے ہیں ، محمد علی آثر نے بھی ان موضوعات کابڑی حد تک گھر ائی سے جائزہ لیاہے اور سعی کی ہے کہ روش عام سے خود کو دور رکھیں۔ عہد عثانی کے اردوادب، داستانوں کے تہذیبی عناصر، رام پور کی داستانوں ، علی گڑھ

تحریک اور انجمن پنجاب کے بارے میں ان کے مفامین ہماری معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔ ان موضوعات پر قلم اٹھانے سے قبل ڈاکٹر آٹر نے گویا اس خصوص میں دیگر تحریوں کو سامنے رکھا اور پھر کوئی نئی بات کہی ہے۔ اس لیے پڑھتے ہوئے ان مضامین کی گئی باتیں نئی لگتی ہیں۔ جن میں ان کی اپنی شخصیت کی چھاپ ملتی ہے۔

اُرد و میں تقید نے اپنے خد و خال بہت زیادہ کھار لیے ہیں اور قد آور بھی ہوچکی ہے اور نہ سمی ہندوستانی زبانوں میں یہ کسی سے پیچھے نہیں، بعض کے لیے تو قابلِ رشک ہے۔ ڈاکٹر محمد علی آثر کی تقید پر کسی خاص دہتان کا اثر محموس نہیں ہو تا۔ ویسے ان کی تقید کو اد فی اور ساجی تقید کے آس پاس رکھا جا سکتا ہے لیکن جو چیز ان کی تقید ی تقید کی تقید کو میٹر کرتی ہے وہ ان کا معروضی رویہ ہے۔ تحقیق سے ان کی دل چسپسی نے ان کے ہاں اس معروضیت کو اور چیکایا ہے۔ وہ اپنی با کسی رو، رعایت کے بغیراور بے تکلف کہہ جاتے ہیں۔ تاہم سلقہ اور اہتمام سے۔ شتہ وٹا کتہ اقد از کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔

کہہ جاتے ہیں۔ تاہم سلیقہ اور اہتمام ہے۔ شبہ وشائستہ اقد ارکو ملحوظ رکھتے ہوئے۔

اللّٰ شاعر بھی ہیں اور خوب شاعر ی کرتے ہیں۔ ان کے دکنیات کے ذوق
سے شاعر انہ مزاج کی ہم آہنگی کا نتیجہ ہے کہ ان کے تحقیقی مضامین بھی ہوجمل اور گنجلک
انداز تحریر سے دور ہیں جب کہ تحقیق کرنے والوں کے ہاں یہ چیز کہیں نہ کہیں کچھ نہ پچھ
در آتی ہے۔ ڈاکٹر آٹر کا پیرایہ ہیان صاف، شفاف اور سہل وسادہ ہو تا ہے۔ وہ وضاحت
اور صراحت سے بھی کام لیتے ہیں۔ انھوں نے اپنے مضامین کے اور مجموعوں میں بھی
در کن کے علاوہ اور موضوعات پر بھی توجہ دی ہے لیکن اس مجموعہ میں ایسے مضامین کی

تعداد نسبتازیادہ ہے۔ یہ ایک خوش آئید بات ہے۔ ''مقالاتِ اثر''اہم اد فی موضوعات کااعاطہ کر تاہے۔باذوق اد فی حلقوں میں اس کی یذیرِ ائی کسی شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

گری اُر دو

گرات کا لفظ براکرت اور سنسکرت کے الفاظ گوجرا ٹھ یا گرجر راشٹر سے بنا ہے۔ جس کے معنیٰ ہیں گوجروں کا ویس ۔ مورخین کا بیان ہے کہ گوجر دراسل گرجستان (جارجیہ) کے باشندے تعے اور سنہ عبیوی کی ابتدائی وو تین صدیوں میں ایران سے ہوتے ہوئے ہندوستان میں واخل ہوئے ۔ سب سے پہلے ان لوگوں نے سندہ اور ملتان کو لہنا مسکن بنایا تھا اور بھر مارواڑ ، مالوہ اور گرات سے ہوتے ہوئے وکن تک کھیل گئے ۔ گپتوں کے عمید حکومت میں گوجر قوم کے متعدد افراد راجوتانہ ، مالوہ اور گرات میں فوجی اور گرات میں فوجی اعلیٰ عمدوں پر فائز تھے (۱)۔ جو تھی صدی عبیوی کی آخری مبلون میں جب گپتوں کی حکومت روبہ زوال ہوئی تو یہ لوگ میں ایک خید شار مبلفت کے مالک بن گئے (۱)۔

گوجر توم نے اپنے جنوبی معبوضات کو تدین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک جو سب سے بڑا حصہ تھا ممارا ٹھر (مماراشٹر) کہلاتا تھا، ودسرا گوجرا ٹھ اور تدیرا سوراٹھ ۔ مسلمان حکمرانوں نے گوجرا ٹھ کو گجرات بنادیا۔ بہ قول این ۔ بی دِویڈیا میم موجودہ گجرات کو گجرات کا نام مسلمانوں کے صوبہ مجرات پر اقتدار قائم ہونے کے بعد ملا۔ یعنی بار ھویں . مدی عیبوی میں اس علاقے کو گجرات کا نام دیا گیا (۳)۔

گرات پر بیرونی حملہ آوروں میں محمود عزنوی اور معز الدین محمد بن سام نے علی الترتیب سام اور سام الدین الترتیب سام اور سامالی علی محملے کے تھے اور مندوستانی حکمرانوں میں قطب الدین المبک نے 1990ء میں حملہ کیا تھا لیکن علامالان طبح کی فتح گرات اس لیے اہمیت کی حال ہے کہ اس واقعہ نے ایک طرف مندوستان کی سامی معاشرتی اور تمذیبی زندگی پر خیر جمولی اثرات چھوڑے تو دوسری طرف ارائی

سطح پر بھی عمل حرکت کو تیز کیا۔ علا الدین جلجی نے جرات کے علاوہ الوہ اور دکن کے علاقوں کو بھی فتح کرکے اپنی قلمرو میں شامل کرلیا تھا اور اپنے مغتوجہ علاقوں کو مختلف صولوں میں تقسیم کرکے ہر صوب کے لیے ایک ترک افسر جو سمامیر صدہ "کملاتا تھا مقر رکیا ۔ یہ افسر دکی سے بیجے جاتے تھے اور اپنے اپنے حلقوں کے حقیقی حکمران کی حیثیت رکھتے تھے ۔ مجرات کے علاقے میں 1471ء سے تقریباً سو سال تک دلی سے افسر آتے در ہے ۔ فیروز شاہ تغلق کے دورِ حکومت میں جب دلی کی سلطنت میں ضعف آگیا تو بجرات کے امیر صدہ ظفر خال نے دورِ حکومت کی جب دلی کی سلطنت میں ضعف آگیا تو بجرات کے امیر صدہ ظفر خال نے دورِ حکومت کی اقال بواجو ایک سوچورای کا اعلان کردیا۔ اس طرح سلاطین مجرات کے دورِ حکومت کا آغاز ہوا جو ایک سوچورای سال تک جاری رہا۔ گرات میں ایک اور لسانی انقلاب اس دقت رونما ہوا جب سے 15 میں اگیرِ اعظم نے اس علاقے کو فتح کرکے ایک بار تھر سلطنت دبی کا صوبہ بنادیا تھا۔

اُردو زبان کی وہ شاخ جو گرات مہنی اے گری کے نام سے موسوم کیا گیا۔ علام الدین کی فتح گجرات (۱۲۹۷ م) میں اس کو منہ مرف بولی کے مرحلے سے آگے بڑھ کر زبان کی مزل میں داخل ہونے کا موقع ملتا ہے بلکہ اس میں شعر و اوب بھی تخلیق کمیا جاتا ہے علاء الدین کی فتح گجرات کا واقعہ سای سے زیادہ لسانی اور ادبی اعتبار سے اہم ہے ، کیوں کہ دلمی میں بینے والی فوجوں کے سابی ، سرکار کا عملہ ، انتظام کرنے والے افسر اور ان کے کار پرداز مبھی اس زبان کو اولیے ہوئے مجرات آئے ہوں گے جو دملی اور اس کے قرب و جوار میں لیلی جاتی تھی (۴)۔ سلطنت گجرات کا بانی مظفر شاہ ہندی منواد تما اور اس کی مادری زبان عربی یا فارسی نمیں بلکہ کوئی ہندوستانی زبان رہی ہوگ ۔ یمی وجہ ہے کہ اس کے دورِ حکومت میں مقای زبانوں کی طرف خصوصی طور پر توجہ مبذول ک جانے لگی ۔ بہ قول ڈاکٹر محمہ حن مرکزی سلطنت سے ٹوٹ کر آزاد خود مختار ریاستوں کئے حکم رانوں کو مقامی آبادی کی حمایت کی زیادہ منرورت ہوتی ہے اور اس لیے وہ اپنے علاقے کے عوام اور ان کی زبان اور تہذیب سے دلی کی مرکزی مکومت اور اس کے تھم رانوں کے مقلطِ میں زیادہ قریب رہنا چاہتے ہیں اور اس کی سرپرستی کرتے

ہیں (۵)۔ چتاں چہ یہ ولی زبانوں اور مقای روایات کا اثر ہی ہے کہ مظفر شاہ نے جس میدانِ جتال چہ یہ راستی خال کو شکست دی تھی اس کا نام " جست پور " رکھا۔ گرات کے ناکی گرای سلطان محمود شاہ کو "محمود بیگڑا " اس لیے کہا جانے لگا کہ وہ اپنی لمبی مو تھوں کو اور چڑھاکر باندھی تھا۔ گراتی میں بیگڑو اس بیل کو کھتے ہیں جس کی دونوں سینگیں اندر کی جانب مڑی ہوئی ہوتی ہیں (۲)۔ مقامی زبانوں سے اثر پذیری کے لسانی عمل کا اندازہ اُن ناموں سے بھی لگایا جاسکتا ہے جو اس وقت مسلمان گھرانوں میں مقبول تھے جند نام ملاحظہ ہوں :

شاہ پیارن ، شاہ باجن ، شاہ جیوگام و هنی ، میاں جی ، مولاجی ، سید بڑھن ، شاہ منجملا ، شاہ بحیکن ، منجون میاں ، حجو میاں ، حبال پتھری ، آد هین مهدی ، مولانا میاں ۔ شاہ بحیکن ، منجون میان ، حجو میاں ، حبال پتھری ہیں لیکن علاقاتی مناسبت سے اسے زبان اردو زبان کے قدیم ترین نام مندی اور مندی ہیں لیکن علاقاتی مناسبت سے اسے زبان و دلوی ، گجری اور دکنی سے بھی یاد کیا گیا۔ حقورت امیر خسرو (م جاساء) نے اپنی شخوی دلوی ، گئری اور دکنی سے بھی یاد کیا گیا۔ حقورت امیر خسرو (م جاساء) نے اپنی شخوی ، شہر سپر سمیں جبال مختلف مندوستانی زبانیوں جیسے سندھی ، لاہوری ، وہلوی ، کشمہ بی ، مثنی و متیرہ کے نام گنوائے ہیں ، وہیں گجری کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

سندهی و لهوری و کشمیری و کبر د هور سمندری ، تلنگی و گجر معبری و گوری و بنگال واود دلمی و پیرمنش اندر ہمہ حد (۷)

گرات کے صوفیوں اور شاعروں نے جال اپنی زبان کو وہلوی ، ہندی ، ہندوی کا ہو وہلوی ، ہندی ، ہندوی کا ہو وہلوی ، ہندی ، ہندوی کا ہو وہلوی گراتی " کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔ قدامت کے اعتبار سے گرات کے شاعروں میں شیخ احمد کھٹو (پیدائش ۱۳۳۷ء م) اور شاہ باجن (۹۰، ۵۱ میٹ احمد کھٹو کے مرف ود تین دوہرے وریافت ۹۱۲ می کو اہمیت حاصل ہے۔ چوں کہ شیخ احمد کھٹو کے مرف ود تین دوہرے وریافت ہوتے ہیں (۸)۔ اس لیے ان کی زبان کے تعلق سے کچھ کھنا دشوار ہے تاہم شاہ باجن

نے اپنی زبان کے لیے دہلوی ، ہندوی اور گجری کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔
ایک نظم کی سرخی انھوں نے اس طرح قائم کی ہے:
معصفت ونیابہ زبان دہلوی نوشت " (۹)
ای نظم کی سرخی ایک اور نیج میں اس طرح ملتی ہے:

م صفت ونیا این درویش به زبان مندوی گفت است " (۱۰)

باجن کی زبان کے تعلق سے متذکرہ بالا نتائج پروفسیر محمود خیرانی ، مولوی عبدالحق ، وُاکٹر مسعود حسین خال اور وُاکٹر ظمیر الدین مدنی کے بیانات سے اخذکے گئے بیں ۔ پروفسیر محمود شیرانی نے پہلی بار باجن کی زبان کو " زبانِ وہلوی لکھا تھا۔ جس کی تقلید کم وبیش سبحی محققین نے کی ہے۔ حال ہی میں وُاکٹر شخ فرید نے " شاہ بہا۔الدین باجن حیات اور گری کلام " کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے جس میں انھوں نے باجن حیات اور گری کلام " کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے جس میں انھوں نے مخزان وحمت " کے بانچ قلمی نمون کا تعارف بھی کروایا ہے۔ وُاکٹر فرید کا خیال ہے کہ شاہ باجن نے اپنی زبان کے لیے " زبانِ وہلوی " کے الفاظ استعمال نہیں کے اور " بو زبانِ وہلوی " کے الفاظ استعمال نہیں کے اور " بو زبانِ وہلوی " کا عنوان بعد کا الحاق ہے۔ چتال چہ وہ لکھے ہیں " خیرانی صاحب کے پاس بار صویں صدی کے خاتے کا کمتوب (نون) محنت غلط تھا۔ اشتیاہ ہے کہ بہ زبان وہلوی کاعنوان بعد کا الحاق ہو۔ را تم کے پیشِ فظر جو نسج ہیں ان میں یہ لغظ وہلوی نہیں ہے۔ "(۱۱)

شاہ باجن کے ہم عصر سد محمد مدی جونپوری (م ۹۱۰ صر) کے ارشادات کی زبان کو سرزاد الفقرا - " کے مولف نے گری بتایا ہے :

م میران سید محمد مهدی موعود وربیان صغت فقرابه زبان گجری فرموده است "(۱۲) شاه علی جیوگام دهنی (م ۱۹۷۳ هه) کے دلوان م جواہر اسرار الله "کو " تحفیة الهند "اور مع مراة احمدی " میں مندی بتایا گیا ہے جب کہ اس ولوان کے دونوں مرتبین شی حبیب الله اور سید ابراہیم اسے گجری کہتے ہیں :

م در بیان توحید و اسرار به الفاظ گجری به طریق نقم نموه ایود " (۱۱۳)

قامنی محمود وریائی بیر بوری (م ۱۹۳۱ هه) کی زبان کے بارے میں محمومہ ملفوظات

تحفیۃ القادری میں مندوی اور مجری دونوں نام طبتے ہیں (۱۲) نوب محمہ چشتی (م ۱۲۳ می) محوب ترنگ سمیں اپنی زبان کے بارے میں اطلاع دیتے ہیں :

جيول ميري لولي منه بات عرب عجم مل ايك سنكات

اس شعر کی وضاحت کرتے ہوئے وہ لکھے ہیں "من به زبان بگرات که الفاظ عربی و مجی آمیزاست گغت ام " (۱۵) ۔ رساله " بھید بھاؤ " میں انھوں نے اپنی زبان کو " بولی گرات " کما ہے :

جیوں ول عرب عجم کی بات سن لالے لولی گرات

خوب محمہ چشتی کے بعد گجرات کے دوسرے شاعروں مسکین ' امین ' نصیر الحق . عبدالله واعظ ' افعنل ' عباد الله اور احمد نے اپنی زبان کو گجری قرار دیا ہے۔

سلطنتِ گجرات کے زوال کے بعد گجری اُردو، و کنی زبان و اوب پر بھی اثرانداز

ہونے لگی ۔ چنال چہ بیجابور کے مشہور صوفی حضرت بربان الدین جانم (م عدارہ) اپنی زبان کو مندی بھی کھتے ہیں :

عیب نه را کھیں ہندی اول معنی تو چک د کیمیں کھول میں ہندی اول کے بیان کر یہ آئیبنہ دیا نمان سرچے البقا "میں کھے ہیں :

ج ہویں گیان پجاری نہ دیکھیں بھا کا گجری کھمنہ الحقائق میں انھوں نے اپنی زبان کو گجری لکھا ہے:

مسبب بو زبان گری نام این کلمیة الحقائق به س

اس تفصیل سے کئی امور پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک تو یہ کہ گرات میں نویں صدی بجری کے ربع سوم تک اُرود کے نام مندی اور مندوی تھے۔ دوسرے یہ کہ شاہ بہا۔ الدین باجن کی م خزائن رحمت سکی ترتیب کے زمانے (سام ۸ مع) میں اس کے لیے مندی کے طاوہ گری کا نام بھی مروج ہوا۔ وسویں صدی کے نصف ووم میں اس کا متدال نام گری لمناہے تعیرے یہ کہ گری زبان و اوب اور اس کی محضوص روایات

کا حلقہ اثر صرف گرات تک محدود نہیں رہا بلکہ دکن تک پھیل چکا تھا۔ غالبا ای لیے جانم نے اپنی زبان کو گری کما ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر زور کھتے ہیں :

مراس عدى تواريخ دكن سے صاف ظاہر ہوتا ہے كہ گرات سے بست سے اديب اور عالم بيجالور آياكر تحصے وہاں كى سلطت كے زوال پر ابراہيم عادل شاہ نے وہاں كے تمام اديبوں كو اپنے وربار ميں بلاليا ۔ چتاں چہ گرات كے ان بناہ گزينوں نے وكن ميں أردو كا اوبى ذوق برطانے ميں حصہ ليا ہے اور غالباً مي وجہ ہے كہ بيجالور كے بعض أردو مصنفين جيسے شاہ بربان اپنى زبان كو گرى كھنے لگے "(١١) _

ڈاکٹر جمیل جالبی رقم طراز ہیں:

م دکنی ادب پر گراتی ادب کے اثرات کا شبوت اس بات سے بھی ملت ہے کہ شاہ بربان الدین جائم آپی تصانیف میں کئی جگہ اپنی زبان کو گری کتے ہیں ۔۔۔۔ بیجابور کے شاہ بربان کا اپنی زبان کو گری کھنے کے معنی یہ تھے کہ تصنیف کرتے وقت ان کے سلمنے گراتی زبان واوب ایک معیار کی حیثیت رکھتے تھے "(۱۲)۔

حعرت جائم نے اپنی زبان کو اس لیے بھی گری کہا ہوگا کہ غالباً اس وقت تک دکنی کی اصطلاح عام نمیں ہوئی ہوگ ۔ دکنی کے قدیم مصنفین میں کسی نے بھی اپنی زبان کو دکنی نمیں کہا ۔ بھی سلطنت کا نمیں کہا ۔ بھی سلطنت کے زوال کے بعد جب قطب شاہی اور عادل شاہی سلطنت کا قیام عمل میں آیا تو دکنی شاعروں نے اپنی زبان کو مندی یا مندوی کے علاوہ دکنی کہنا شروع کیا ۔ بہ قول ڈاکٹر مسود حسین خال :

" أردو زبان كا وكنى نام بت زياده قديم نهيں _ عيد بهمنى كے كى معنف في اپنى زبان كو وكنى نام نهيں فيكارا _ اس كے مندى ، مندوى اور بحرى نام زياده قديم بس " (١٨) _

جناب اکبر الدین صدیقی جائم کی زبان گجری کو ایک نے مفہوم میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

مدرکن کے اکثر قصبات میں خواہ وہ حدر آباد ریاست کے ہوں یا میور ریاست کے

شاہراہ پر کسی مخصوص جگہ روزآنہ بھاجی ترکاری یا دیگر منروریات زندگی یا مستملہ سامان کی عارضی ووکائیں لگتی ہیں اور بازار کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ چوں کہ یہ دوکائیں میتقل نہیں ہوتیں اس لیے ان کا کاروبار وو تین گھنٹے سے زیادہ نہیں ہوتا اور چوں کہ یہ گذری کہا جانے لگا ۔ اور کثرت اور چوں کہ یہ گذرگاہ پر ہوتی ہیں اس لیے ان کو گذری کہا جانے لگا ۔ اور کثرت استمال سے گجری ہوگیا ۔۔ حضرت بربان الدین جائم نے منفعت لایمان اور کلمت الحقائق کی زبان کو انھیں معنوں میں گجری کہا ہے ۔ اس کا گجرات سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق گذری سے ہے "(19)۔

یہ بات قرنِ قیاس نہیں کہ جانم نے اپنے ہم عصر گراتی مصنفین کے برعکس، گری کو ایک نئی اصطلاح کے طور پرنئے معنی و مفہوم میں استعمال کیا ہو۔ ایک تو اس لیے کہ بہ قول ڈاکٹر حسینی شاہد گذری کا لفظ چوک اور شام کے بازار کے مفہوم میں صرف وکنی ہی میں نہیں شمالی ہندمیں بھی رائج رہا ہے۔ اسآد ذوق کا ایک شعر ہے:

بیٹیے ہیں دل کے بیجے والے ہزارہا گذری ہے اس کی راہ گذر پر لگی ہوئی "(۲۰) دوسزے یہ کہ اگر جانم نے گجری کا لفظ نے مفہوم میں استعمال کیا ہوتا تو کم از کم ان کے خلفائیا خانواوۂ جانم کے دوسرے مصنفین ضرور اسے رواج دینے کی کوسٹسٹس کرتے یہ

گری زبان میں سلاطین گرات اور صوفیا کے جو فقرے ، جملے اور اقوال ہم تک کینے ہیں ان میں محمود بیگڑا ، سلطان سکندر شاہ ، حصنت قطب عالم ، شاہ عالم اور شاہ بارک اللہ حسینی اور جن شعرا نے گری میں طبع آزمائی کی ہے ان میں شع اتحد کھٹو، شاہ باجن ، شاہ علی جیو گام وحمنی ، قامنی محمود دریائی اور امین گراتی کے نام ہہ طور خاص قابل ذکر ہیں ۔ اس زبان میں حربی و فاری کے ساتھ گراتی زبان کے الفاظ مل جل کر شیر و شکر ہوجاتے ہیں ۔ مثال کے طور گراتی کے چند الفاظ یماں درج کیے جاتے ہیں : شیر و شکر ہوجاتے ہیں ۔ مثال کے طور گراتی کر برمیا) ٹونکا (تھوڑا) ہے (جو) ہوں (میں) ہب (اب) اونڈا (گرا) ڈوی (برمیا) ٹونکا (تھوڑا) ہے (جو) انے (اور) ایمان (یمان) تمہ (تم) کمان (ایون) ماڈھ (ایوان) ڈھوگرا (نزدیک) برداڑ (قرسان)

مکھان(سآئش) وخیرہ۔

گری کے توسط سے دکنی میں ہوں ، جے ، او تاول ، انجبو ، ندر ا ، وس ، کر تار ، پالنمار ، سرجنهار ، نیکا ، رکت ، اند حلا ، ڈونگر ، نعاسنا ، گمنا ، انجینا ، سٹیا ، دیکھیا ، لولیا ، پچھیں،

اچیے اچیو ادر اس قیم کے بے شمار الفاظ آئے ہیں۔

گری زبان و ادب پر ہندوسآنیت کی تچاپ اور بھکتی کے اثرات نمایاں ہیں۔ شاعری ہندی اوزان و بحور میں مختلف راگ راگنیوں اور سروں کے مطابق موسیقی اور آواز کا جادو جگانے کے لیے کی جارہی ہے۔ اصناف شعر میں دوہرے اور جکری سب سے زیادہ مقبول ہیں۔ ہندی شاعری کے زیرِ اثر خالق کو مرد اور خود کو عورت یا گوپی تصور کرے جرو فراق کی کیفیات کی ترجمانی کی جارہی ہے۔ بہ قول ڈاکٹر جمیل جالی : سامری میں خدا اور اس کے نبی ملتھ کا ذکر بھی ہے اور کرش و اوتار کا سامری میں خدا اور اس کے نبی ملتھ کا ذکر بھی ہے اور کرش و اوتار کا

شاعری کی بحری ، اوزان اور اصاف بھی ہندوسانی ہیں " (۲۱) ۔
وسویں صدی بجری کے اواخر میں مملکت گرات روبہ زوال ہوگئی ۔ ہر طرف انتشار اور بدامنی کا دور دورہ تھا۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اکبر اعظم نے نہ مرف گرات پر تملہ کرے فتح حاصل کی بلکہ پر ایک بار اسے اپنی سلطنت کا ایک صوبہ بنادیا۔ اکبر اعظم کا گرات پر یہ تملہ وہاں کی شعری اور اوبی روایات پر لسانی جملے کی اکبر اعظم کا گرات پر یہ تملہ وہاں کی شعری اور اوبی روایات پر لسانی جملے کی بھی حیثیت رکھتا ہے ۔ خوب مجمہ چشتی کے زمانے میں گری زبان و اوب پر ایک طرف فاری کا رنگ و اثر نمایاں ہونے لگتا ہے تو دوسری طرف اس میں عربی و فاری کے فاری کا رنگ و اثر نمایاں ہونے لگتا ہے تو دوسری طرف اس میں عربی و فاری کے افاری کا رنگ ہونے بین ۔ اس لسانی عمل کی وجہ سے اُردو زبان اپنے فتود نما الفاظ ہر کثرت شامل ہونے لگتے ہیں ۔ اس لسانی عمل کی وجہ سے اُردو زبان اپنے فتود نما اور ارتقا کی نئی بلندیوں تک بیخ جاتی ہے ۔ یہ گری پر فاری کے اثرات ہی کا نتیجہ ہے اور ارتقا کی نئی بلندیوں تک بخوب ترنگ سکی شرح فاری میں قام بند کرنے کی مزورت کے خوب عمری و نبی مزودت کے تحت انموں نے ہندی اور فاری عروض پر «تھیند تھینداں " مرون ۔ اس مزودت کے تحت انموں نے ہندی اور فاری عروض پر «تھیند تھینداں "

کے نام سے ایک رسالہ منظوم کیا تھا جس میں فارسی عروض کو مندوی عروض کے حوالے سے ایک رسالہ منظوم کیا تھا جس میں فارسی الحقاد ہوائے سے مجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لسانی اتھل پتھل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر جمیل جالبی کھتے ہیں :

"فتح کے دس بارہ سال کے اندر اندر گرات کے اہل علم و اوب پر بھی فاری کا گرا اثر ہونے لگا اور اس کے ساتھ گری کا منہ صرف زور گھٹے لگا بلکہ اوبی و تخلیق سطح پر اس زبان کی کوئی خاص اہمیت باتی نہ رہی ۔ جو لوگ فاری جانتے تعے معاشرے میں قدر کی لگاہ سے ویکھے جاتے تھے ۔۔۔ اس تہذیبی اثر کے ساتھ فاری روایت اپنی بحور ، اپنے اوزان، اپنی اصناف ، تمثیلات ، رمزیات و منمیات کے ساتھ گری اُردو پر بھی تمیزی کے ساتھ اثر انداز ہونے گئی ۔ خالص ہندوی سانچوں ساتھ گری اُردو پر بھی تمیزی کے ساتھ اثر انداز ہونے گئی ۔ خالص ہندوی سانچوں کے بجائے فاری سانچا اس کی جگہ لینے لگا " (۲۲)۔

حواشی:۔

ا۔ ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی ۔ تحن ورانِ گجرات ۔ 19۸1ء ص ۱۲۔ .

٢ ـ ايضاً ص ١٤ ـ

۱۳ مسابر نامه ۴ گجرات اُردو اکیڈی به ۱۹۹۰ من ۱۳ (گجرات کی وجه تسمیه از جمال الدین شیخ ساحر)

۴ ـ ڈاکٹر محمہ حسن ۔ قدیم اُردوادب کی مشقیدی تاریخ ۔ لکھنو ۱۹۸۷ء میں ای۔ ۵ ۔ ایسنا من ۷۷ ۔

٧ ـ ذاكر ظمير الدين مدنى _ محتوران مجرات ـ من ١٥٠ ـ

ی مجد دحید مرزا به شنوی نهه سپر از امیر خسرد به کلکته م<mark>رواع می ۱۷۹ م</mark> ۱۸۰ ۱۸۰

٨ ـ واكثر ظمير الدين مدنى _ محنوران بكرات _ ص ١٥٠ _

9۔ ایشا ص ۲۵۔

١٠ الينياب

اا۔ ڈاکٹرش فرید۔ شاہ بماء الدین باجن۔ حیات اور گجری کلام۔ گجرات 1997ء ص ۲۱۔
۱۱- پروفسیر محمود شیرانی ۔ مقالات شیرانی (جلد ووم) مجلس ترتی اردب لاہور ص ۱۹۸۔
۱۹- ڈاکٹر حسینی شاہد ۔ شاہ امین الدین علی اعلیٰ حیات اور کارنامے۔ حیدرآباد سام ۱۹۱ء

۱۳ مخنوران گجرات می اسم

١٥ ـ ذُاكثر مدنى به سخواران بجرات من اس

١٧ - أردوشه بارے - من ١٢ -

اء ادبي تحقيق عبل ترتى ادب لابور ما 199 م من ٢٠

۱۸ عِلْهُ عَمَّانِيهِ (وكني ادب نمبر) معاوم من سار

۱۹ مشوی ارشاد نامه (جانم⁻) حیدرآباد <u>۱۹۶۱ء</u> ص ۲۸۸

٢٠ ـ شاه امين الدين على اعلى _ حيات اور كارنامے _ ص ١٨٨ _

۲۱۔ ادبی تحقیق۔ ص ۵۲ ۔

٢٢ ـ تاريخ اوب أردو (جلد اول) لابور 1990ء ص ١٢٧ _ ١٢٧ ـ

ملک محمود جو ہرا ورمثنوی اشتیاق نامہ

ملک محمود جو ہر (ولادت ۱۱۹۳ء) ار دواور فارس کے ایک قادر الکلام اور با کمال شاعر تھے۔ ڈاکٹر زور نے سب سے پہلے کے ۱۹۵ء میں مثنوی" جو ہر عشق" کے مصنف کی حیثیت سے اُن کا تعارف کرواتے ہوئے تذکر ہار دو مخطوطات کی تبیسری جلد میں لکھاتھا :

'' ملک محمود جوہر ولد قاضی عیدروس ولد قاضی احمد ثانی قاضی میکن پلی۔ حافظ تاخ الدین مشاق دہلوی کے شاگر دہتھے۔ نواب میر اکبر علی خال سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کے عہد میں حیدر آباد میں مقیم شے لیکن ان کا ذکر حیدر آباد کی تاریخوں اور تذکروں میں کہیں نظر سے نہیں گزرا۔'' (ص۲۲۱)

مولوی نصیر الدین ہاشی نے اس سال جب کتب خانہ سالار جنگ کے ار دو مخطوطات کی فہرست مرتب کی تو انھوں نے جو ہر کا تعارف ان کی ایک اور مثنوی ''ا شتیاق نامہ'' کے حوالے سے کر داتے ہوئے اطلاع دی ہے کہ :

'' ملک محمود جو ہر حیدر آباد کے خوش فکر شاعر تھے۔ مگر افسوس ہے کہ ان کے حالات کمی تذکرہ میں درج نہیں ہیں۔'' (ص ۲۹۵)

راقم الحروف كى تحقیق كے مطابق ملک محمود جو ہر كے حالات ذندگی حيدر آباد كے دو تذكروں "
عروس الاذكار "از نصير الدين نقش حيدر آبادى (١٢٨٩هـ) اور "تاريخ النوائط" (١) از عزيز
جنگ كے علاوہ ملک محمود جو ہر كے فرزند غلام حيدر شہوار اور پوتے غلام محی الدين شہيار كے
دواوين اور تذكرہ" كيفيت وحالات روسا ہے ہيكن پلی" اور خود جو ہركى مثنوى" جو ہر عشق" ميں

"جوہر عشق" (۱۲۳۲ھ) تقریباً پانچ ہزارام**یات پر مشمل ای** سخیم مثنوی ہے جس کاواحد نسخہ کتب خانہ ادار ہُ ادبیاتِ اُردو حیدر آباد کی زینت ہے۔ بہ بقول ڈاکٹر زور اتنی طویل مثنوی جوہر کے بعد حیدر آباد کے کمی شاعر نہیں لکھی (۲)۔ جوہشق کواس لیے بھی اُجیت حاصل ہے کہ اس مثنوی میں شاعر نے "کیفیت آباواجداد خود" کے عنوان سے اپنے خاندانی حالات آلم ہد کیے ہیں۔ جن کا خلاصہ ڈاکٹر زور کے الفاظ میں در ی ذیل ہے:

''ملک محمود'جوہر تخلص عرب قوم نوائت میں حضرت جعفر طیار کی اولاد سے تھے۔ ان کے جدامجد ملااحمہ علی عادل شاہ کے عمد میں بیجا پور آئے۔ان کی اولا دمیں ملآ سعیداور ملا میجی اور فاصل خال وزیر بہت مشہور گزرے ہیں۔ زوال بیجا پور کے وقت فاضل خال وزیر کبیر تھے۔اور اورنگ زیب عالمگیر ان کو بھی بیجاپور کے دیگر عماید کی طرح اپنے ماتھ لے گئے چنال چہ وہ انٹائے سفر میں ہی د فات پا گئے۔ان کے فر زند ملآ احمد کو اورنگ زیب نے کرنول کا قاضی ہا کر روانہ کیا۔ان کے دو فرزند تھے۔ غلام علی اور محمود۔ غلام علی اور ان کی او لا و تو کر نول ہی میں مقیم ہو گئے ، لیکن بڑے فرزند ملا محمود می کی بلی چلے گئے اور ان کے فرزند قاضی احمد مین بلی کی مند قضائت اور انعام سے سر فراز ہوئے۔ ان کے فرزند صبغت اللہ اپنے باپ کی جگه قاضی ہے۔ان کے فرزند قاضی عیدروس ملک محمود کے والدیتھے چنال چہ جوہر کے براہے بھائی پیکن کیلی کے قاضی مقرر ہوئے۔ اس سلسلہ میں ریاست میکن پلی کے نوابوں مر زا محمہ فضل علی ، حسین علی خال ، منصور الدولہ احمد علی خال کی تعریف کھی ہے کول کہ بیالوگ جوہر کے خاندان کے قدردان اور مربی تھے۔ خود جوہر کے سر پرست شہیار الملک تھے جواس ونت نواب میگن پلی تھے ۔ ان کو افسوس ہے کہ و طن چھوڑ کر حیدر آباد آنا پڑا۔ نواب احمد علی خان کی مدوسے وہ حیدر آباد سے مبمرہ ور ہوئے اور یہال کے شاعروں کے فیف صحبت سے شعر و سخن کی طرف دل ماکل ہوا اور آخر کاریہ مثنوی مکھی۔ اس وقت ان کی عمر پچاس سال کے قریب تھی۔ ان کے آل اولا دلتھی اور بھائی ہد حیدر آباد کر نول اور ^{میک}ن پلی میں موجو و تھے '' (m) _

نصیرالدین نقش حیدر آبادی کے تذکرہ''عروس الاذکار'' سے پتہ چاتا ہے کہ جو ہر نے دود داوین کے علادہ ایک تذکرہ بھی اپنیادگار چھوڑا ہے۔ چنال چہ وہ کھتے ہیں:

''جوہر تخلص ، ملک محمود ، مولدش میگی پلی ، صاحب دو دیوان و تذکرہ۔ تلمیذ جناب حافظ تاج الدین مشاق علیہ الغفر ان آور دہ اند کہ مشارا '' الیہ برعلتے از حسین علی خال نواب میگی پلی آزردہ شدہ در قمر مگر عرف کر نول رفتہ بہ ماہوار دو صدروپیہ نزوغلام رسول خال نواب مرحوم بہ سلک لمازمت منسلک گردیدہ ہمدرال جاانتقال یافت" (۴)۔ تذکرہ عروس الاذکار کا ایک قلمی نسخہ ادار ہُ ادبیات اُردو (مخطوطہ نمبر ۸۹۲) میں موجود ہے۔ اس مخطوطہ میں شامل تمام شعراکی فہرست ڈاکٹر زور نے مرتب کر کے تذکرہ میں شامل کی ہے لیکن انھیں تذکرے کے نام، مولف اور سنہ تالیف کا ٹھیک طور پر پیۃ نہ چل سکا اور چوں کہ بیہ قلمی نسخہ تمکین کا ظمی کا عطیبہ تھا اس لیے اس کا نام '' تذکرہ عطاے تمکین'' تجویز کیا اور سنہ تالیف قیاساً ۱۲۹۲ھ تحریر کیا ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل نذکور ہوا ہے اس تذکرہ کے مولف نصیر الدین نقش حیدر آبادی (متوفی ۴۵ ساتھ) ہیں اور ''عروس الاذکار'' اس کا تاریخی نام ہے جس سے الام الم ہوں کے دواور قلمی اس کا سنہ تالیف بھی ہے۔ اس تذکرہ کے دواور قلمی شخ انجمن ترقی اُردو کراچی کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ ان نسخوں کی مدوسے مولوی افسر صدیقی امر ہوی نے اے 20 واء میں مرتب کر کے شائع کر دیا ہے۔

جو ہر کے فارسی دیوان اور تذکرے کا توبیۃ نہیں چلاالبتہ ان کے اُر دودیوان کا آیک نسخہ اور نیٹل مینواسکریٹ لا ئبریری (کتب خانہ آصفیہ) میں موجود ہے۔ (مخطوطہ نمبر ۱۶۲۹)۔ نصیرالدین ہاشمی نے کتب خانہ سالار جنگ میں دیوانِ جو ہرکے ایک اور نسخہ کی نشاندہی کی ہے (۵)۔ کیکن تلاش وہمیار کے باوجو واس نسخہ کا پتہ نہیں چلا۔ مثنوی ''جو ہر عشق '' اور دیوان کے علاوہ جو ہر کی ایک اور مثنوی ''اثنتیا ت نامہ'' کا ہمی پند چاتا ہے۔ تا حال اس کے دو نسخے دریافت ہوئے ہیں۔ ایک کتب خانہ سالار جنگ میں موجود ہے (مخطوطہ نمبر ۳۲۳) اور دوسرا اور نیٹل مینو اسکر پٹ لائبریری کی زینت ہے (مخطوطہ نمبر ۳۳۵) آٹر الذکر مخطوطہ کی تو شیح کرتے ہوئے نصير الدين باشي كلصة بين مو افسوس بے كه ان كے حالات كى نذكر ، يين درج نہيں بين - ان کے فرزند غلام حیدر شہد سوار تخلص رکھتے تھے اس سے واضح ہو تا ہے کہ ان کے خاندان میں شاعری کا سلسلہ عرصہ تک چلاہے۔ (۲)۔ جوہر کے فرزند غلام حیدر کا تخلص شہہ سوار نہیں بلحہ شہوار ہے۔ ہاشمی صاحب نے '' دیوان شہوار '' کی وضاحت کرتے ہوئے بھی ان کا تخلص سہوا شہہ سوار ہی لکھاہے (۷)۔ شہوآر اپنے والد کی طرح ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ نذکر ہُ عروس الاذ کار کی تالیف کے وقت ۱۲۸۹ھ میں وہ حیدر آباد میں موجو و تھے (۸)۔ ان کے دیوان کے دو قلمی نسخوں کا پتہ چلنا ہے۔ ایک کتب خانہ اوار ہُ ادبیاتِ اُر دو میں موجو د ہے (مخطوطہ نمبر ۲۳۹) اور دوسر اور بنٹل مینواسکریٹ لا ئبریری حیدر آباد کا مخزونہ ہے (مخطوطہ نمبر ۵۰) و نیزان کا کچھے کلام ان کے پیٹے غلام محی الدین شہبآر کے مجموعہ کلام مخزونہ انجمن ترتی اُر دو کرا ہی میں بھی موجود ہے (۹)۔ شہوآر حافظ تاج الدین مشاق دہلوی کے علادہ اپنے والد جو ہر ہے بھی مشورہ سخن کرتے تھے۔ ایک غزل کے مقطع میں انھوں نے اپنے اسا تذہ کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

استاد کلال حافظ مشتاق ہیں شہوار اور حضرت جوہر استاد کلال حافظ مشتاق ہیں شہوار اور حضرت جوہر استاد کھر دوسرا شاعر کرے کیا چوں مرے آگے ہوں سب میں ذہر دست (۱۰)
اس شعر میں جوہر تخلص کے پیش نظر ڈاکٹر زور نے قیاساً علام حسین خال جوہر کوشہوار کا استاد قرار دیاہے۔ چنال چہ وہ لکھتے ہیں : ''انھول نے (شہوار نے) اپنا کی اور استاد جوہر کا اپنے کلام میں ذکر کیا ہے۔ گمان غالب ہے کہ یہ وہی غلام حسین خال جوہر ہیدری ہوں گے جضول نے کلام میں ذکر کیا ہے۔ گمان غالب ہے کہ یہ وہی غلام حسین خال جوہر ہیدری ہوں اور شہوار نے ماہ لقابائی کے حکم ہے انھیں کے یمال رہ کر تاریخ ''اہ نامہ'' مرتب کی تھی (۱۱)۔ شہوار نے اپنے دیوان میں جوہر کی ایک فارسی نظم (قطعہ کاریخ وفات حضرت شاہ معصوم اولیاء کر نولی) کی ار دو میں نضیین بھی کی ہے۔ اس نظم کی داخلی شواہد سے ڈاکٹر زور جوہر کوشہوار کا والد ہتا تنے ہوئیالکل صحیح نتیج پر پہنچ جاتے ہیں اور پھر کسی شھوس جوت کی عدم موجود گی کی وجہ سے تذہذ ب

"اس لظم میں کر نول کے ایک ہزرگ حفزت معصوم شاہ مجذوب کے عرس کی دھوم دھام میان کی گئی ہے۔ اور جو ہر کے قطعہ تاریخ وفات شاہ معصوم اولیا کو بھی در میان میں درج کر دیا ہے۔ جس میں جو ہر کو اپنا قبلہ گاہ لکھا ہے جو بالعوم والدیا مرشدیااستاد کے لیے استعال ہو تا ہے۔ جو ل کہ شاعر کے تخلص شہوار اور جو ہر میں میں مناسبت ہے اس لیے فی الحال یقین ہے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ جو ہر' شہوار کے والد تھے یاوہی جو ہر میدری ہیں جن کاذکر ابھی کیا گیا ہے "(۱۲)۔

ستھے یاوئی جوہر میدر کا جاتا ہوں جن سے شہوار کے ریگ بخن اور جوہر کی تاریج سکو کی شہوار کی تضمین کے چند مد ملاحظہ مہول جن سے شہوار کے ریگ بخن اور جوہر کی تاریج سکو کی

دونوں پرروشن پڑتی ہے۔

لاتے ہیں جو مراد مند ہجوم اولیا ہے پھرتا نہیں کوئی محروم مرتبہ ان کاکسی کو کیا معلوم اولیا ہے کمرم و مرحوم ایسی کوئی سے دھوم ہے ہیں دروازے بہر مجرائی ایک چوبی دگر ہے نقرائی ایک چوبی دگر ہے نقرائی ان کی تاریخ من لے اے کھائی ہے مرے قبلہ گاہ نے پائی ان کی تاریخ من لے اے کھائی ہے مرے قبلہ گاہ نے پائی میں مردی ہے دھوم ایسی چو نہاد قدم خود ہیم اللہ میں معموم اولیا چو نہاد قدم خود ہیم اللہ ہیم اللہ

سال رحلت ثنیدہ ام جو ہر '' آفابِ قر گر با للد''

ایعنی کرنول میں ہوی ہے دھوم

جع وہاں خلق عام ہوتی ہے

جب کہ شہوآر شام ہوتی ہے

روشنائی تمام ہوتی ہے

بب کہ شہوآر شام ہوتی ہے

یعنی کرنول میں ہوی ہے دھوم (۱۳)

بہ قول ڈاکٹر زور شہو آرایک فطری شاعر تھے۔ان کے کلام میں یوی روانی ہے اور وہ غزل اور نظم وونوں میں قادر الکلام ہیں۔انہوں نے غزلوں سے زیادہ مختس، مسدس اور دیگر ترکیب مد لکھے ہیں جن میں سودا، ظفر اور ناشخ کی غزلوں کی تضمینی تھی کی ہیں۔شہوار نے فارسی اور ہندی نظمیس مھی کمھی ہیں۔ دار واد مادبیات اُر دو کا مخزونہ نسخہ ''دیوان شہوار'' خودشہو آر کا مکتوبہ ہے (۱۴)۔

شہوار کے بڑے ہمائی غلام حسن کا تخلص گوہر تھا تا ہم ان کے کلام کا کوئی نمونہ دستیاب خہیں ہوا۔ شہوار کے فرزند غلام محی الدین شہیار نے شاعری ور ثے بیں پائی تھی۔ ان کے ایک مخضر مجموعہ کلام کے علاوہ ایک تذکرے ''کیفیت وحالات روسائے بیش پلی'' کا بھی پتہ جبتا ہے۔ افسر صدیقی امر وہوی کی اطلاع کے مطابق شہیار کا مجموعہ کلام جس میں ان کے والد شہوار کی بھی چند نظمین شامل ہیں۔ المجمن تی آروو کراچی کے کتب خانہ خاص کی زینت ہے (۱۵)۔ اور تذکر ہ کوسائے بیش پلی کا قلمی نسخہ کتب خانہ قومی عجائب گھر کراچی (مخطوطہ نمبر ۲۵/ ۲۰۲ مالاء) کا مخور فنہ ہے۔ اس تذکرہ کا کامہ تالیف ۲۰۲ میں اور اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

'' الحمد لالله رب العالمين اما بعد محى الدين شهيآر ولد غلام حيدر شهوآر ابن ملك محمود جو ہر جس كے آباد اجداد كوسر كار بيكن پلى سے نمك خوارى داطاعت گزارى كا تعلق رہاہے۔ عرض كرتا

ہے کہ "(جائزہ ار دو مخطوطات از مشفق خواجہ ص ۲ کا)

مولوی افسر صدیقی امر وہوی نے تذکرہ کروسائے پیکن پلی کوسہوا شہبیآر کے والد شہوآرہے منسوب کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''شہوار تاریخ روسائے پیکن پلی (غیر مطبوعہ) کے مصنف ہیں ''(۱۲)۔ آگ چل کر وہ اطلاع دیتے ہیں کہ ''شہوآر کے لڑکے غلام محی الدین بھی شاعر تھے اور شہبیّار تخلص کرتے تھے ان کوترک علی شاہ ترکی ہے تلمذ تھا'' (۱۷)۔

ملک محود جو ہر اور ان کے خاند ان کے کی شاعر کا کلام ابھی تک شائع جہیں ہوا۔ فیسی قمر عمری کے اپنے ایک مضمون ''کر نول کا شعری سرمایہ'' میں جو ہرکی تاریخ و فات ۱۲۹۰ھ متائی ہے (۱۸)۔ یہ اس لیے درست نہیں ہے کہ نقش حیدر آبادی کے تذکرے ''عروس الاذ کار'' کی تألیف

(۱۲۸۹) ہے تبل وہ وفات یا چکے تھے (۱۹)۔

جہاں تک مثنوی اشتیاں تامہ کا تعلق ہے۔ یہ ملک محمود جو ہرکی ۱۲۸ امیات پر مشتمل ایک مخفر مثنوی ہے۔ اس کے مطالعہ سے شاعر کے اظہار وہیان کی خصوصیات اور قادر الکلامی کابہ خوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اشتیاق نامہ از اوّل تا آخر شاعر کی اپنے محبوب سے جدائی کی کیفیات کی ترجمانی کرتی ہے۔ محبوب کے جرو فراق میں شاعر اس کی صحبت میں گزارے ہوئے ایک ایک لحہ کو یاد کرتا ہے۔ ایام گزشتہ کی یادا سے اپنے گل چمرہ معثوق سے دوبارہ وصال کے لیے اکساتی ہے۔ مثنوی کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے۔

لاله رو ، سروقد، یری پیکر غنچه لب ، گل عذار ، سیمیل بر ما جرا اپنا کیا کہوں تجھ کو شوق تیزا تو رہے ہے مجھ کو دن توحق میں مرے قیامت ہے رات پھر کیا کہ ایک شامت ہے آتش ہجرے شاعر کادل پھل کریانی ہو گیاہے گویاس کی آتھوں سے کو ہِ قاف رواں ہے ۔ دل کیکھل کر ہوا ہے اب پانی آتش ہجر سے تری جانی نالے بھے ہیں صاف چشموں سے ہمہ گیا کوہ قاف چشموں سے وصال محبوب کے اثنیاق میں مجھی وہ خواجہ حافظ کی فال دیکھتا ہے ، مجھی پیروں کی منتوں میں سر گروال رہتاہے اور مجھی نجو میول اور رمالول ہے اپنی قسمت کا حال وریافت کرتاہے۔ محبوب ك چره أزيا اوربالول كى لك سے لے كر پيرول تك جمم كے تمام اعضاء ، لباس اور اشيائے آرائش وزیبائش کی خوبیول کامیان ، شاعرانه کمال کے ساتھ کر تاہے۔ مثلاً چمر ہ ، پیشانی ، اہر و ، مژه ، چثم ، بینی ، خال رضار ، لب و دندال ، چاه ذقن ، ور گوش ، بالا ، میکا ، نته ، کا جل ، د نباله ، مسی ، انگیا، کلائی، دست ِحنائی، زم انگلیال، سینهٔ صاف، شکم، ناف، نمر، سرین، گھٹے، ران، پیڈلیال، بازو، پشواز، شلوار وغيره- چند شعر ملاحظه مول-

وہی پتلی سی ایک مورت ہے زندگ ہی وبال ہے مجھ کو دل ہوا چاک چاک جوں شانہ عار ہے دیکھنا ہلال مجھے جس کے دیکھے سے پھر گلے نہ پلک ہوے وہ مجھ کو سوزنِ عیدلی(۲۰) میری آگھوں میں تیری صورت ہے جعد کا بس خیال ہے مجھ کو ناف کا اف رے صاف بلی کھانا تیرے ایرو کا ہے خیال مجھے واہ رے واہ اس مڑہ کی جھپک جب ہے اس کا ہوا مجھے سودا

شکل گرداب ، کردیا ہے کل گردش چشم نے تیری ہربل تیرے غم ناک کو ہے آٹھ پیر یاد سینی کی اے بلند اختر آئینہ دیکھنا ہوا ہے ننگ تیرے منھ نے مجھے کیا ہے دنگ موندلے اینے منی کو حیب رہنے لب و داندان کا رنگ کیا کہیے کیا تہوں کس قدر ہے گاہ مجھے تیرے جاہِ ذقن کی جاہ مجھے باولی طبع ہوتی ہے ٹی الحال جب در موش کا ترے ہو خیال موہر افک چھم نز میں ہے جب سے یکا ترا نظر میں ہے ناک میں آگیا ہے جی میرا حلقہ ' نتھ تھی ہے غضب تیرا كظي أتكمول مين جيسے سر والا اور کاجل کا تیرا دنبالہ آنکھ کا ، جل ہوا ڈوبایا مجھے اسی کھنگے نے یوں ستایا مجھے ۔۔ محرمِ راز بھی ہوا ہے دنگ تیری انگیا کا کھھ عجب ہے رنگ جيولً انار آه چاک سينه مول شوق ہے اس کے ہاتھ کیوں نہ ملول

مثنوی اشتیاق نامہ میں شاعر نے ایک طرف سادگی میان اور روانی و پڑھنگی کا مظاہرہ کیا ہے تو دوسری طرف الفاظ کی تکرار اور رعایت لفظی ہے اس میں صوتی آ ہنگ اور نغمگی پیدا کرنے کی بھی بریونوں

کوشش کی ہے۔ چندا شعار دیکھیے :

مجھے اک اک گھڑی ہے پیش آئی نہ کل آئی مجھے رہا ہے کل تھرے بلدالا پ کٹا ہے اپنے دل کی مراد تب پاول گزری اک اک گھڑی ہے سو سو سال

یاد پیشانی کی قری جانی
یاد کروہ کلائی ہات کی کل
تیرے گھٹول کے غم میں گھٹتا ہے
یادل تیرے پیارے جب یاول
یاد کر کرکے ہے یہ میرا حال
تا کہ کر دان آقی کی میں افراق میں میرا

اشتیاق نامه کی ذبان تقریباً دوسوسال قدیم ہے لیکن اس دور کے دوسرے دکنی شعرا کے بر خلاف چوہر کو زبان و میان پر مکمل دستگاہ حاصل ہے۔ اس معتوی میں شاعر نے میکہ حکمہ خوب صورت مراکب ادرا ضافتوں کا بھی استعال کیاہے۔ چند ترکیبیں اور ضافتیں ملاحظہ ہوں:

تراكیب: غنی لب گل عذار سیمین بر گل جمره و لاله روب پری بیکر و مرو قد سربه زانو دل سو نبته شوریده حال و محبت ضمیر و عرش جناب به بداختر بهت كا پرده و كر شمه اوا و و ستال شاد اضافتین ار حک صد به ستال و آش ججر به نشه که بدار خواب راحت و و برگر دول به بده هٔ خاک ناوک ججر و تود هٔ طوفان و طائر دل و شکل و توس قزح و دام ججر و کشتهٔ ججر و تینی ججرال و لبا شاو

خالِ عار ضْ۔ عرقِ رخ۔ گر دش چیثم۔ گوہر اشک۔ ُ جاوِذ قن ۔ چیثم تر۔ کو وغم۔ محرمِ رازوغیر ہ۔

حواشي

- (I) تاریخ الوائط کے مولف نے ملک محود کا تخلص جو آبر ککھاہے۔ ص ۵۱۵۔
- (۲) و الكرزور ـ تذكره أردو مخطوطات (جلدسوم) ص ۲۲۱ _ (س) اليناص ۲۲۲
 - ۳) عروس الاذ کار از نقش حیدر آبادی۔ مرتبہ افسر صدیقی _ ص ۵ ۲
 - (۵) نصیرالدی ہاشی۔ کب غانہ آسنیہ کے اردو مخطوطات (جلد اوّل) م ۴۰۰۔ (۲) اینیا م ۴۰۰ (۷) اینیا م ۴۳۰۔
 - (۸) عروس الاذ کار مر تبدافسر صدیق به من ۹۳ به (۹) اینام ۲۱۴ ب
 - (۱۰) ڈاکٹرزور۔ تذکر داردہ مخطوطات (جلدسوم) ص ۲۵۸۔ (۱۰) ڈاکٹرزور۔ تذکر داردہ مخطوطات (جلدسوم) ص ۲۵۸۔
 - (۱۱)_(۱۲) اينا ص ص ۲۵۸ (۴) اينا ص ۲۵۹ ـ
 - (۱۵) عروس الاذ کارم ۹۳ (۱۲) به (۱۷) ایستا
- (۱۸) قیسی قمر گری-کرنول کاشعری سرمایه مشموله قومی زبان (حیدر آباد) به جنوری ۲۰۰۰ء می ۱۵ سه
 - (۱۹) عروس الاذ کار پے ص ۵۷ ۔
- (۲۰) وہ سوئی جس کی بات مشہور ہے کہ حضرت عیسلی کے دامن میں البھی ہوئی آسان پر چلی ممئی تھی اور اس دنیوی چیز کے باعث وہ چوتتے ہے آگے نہ جا سکے۔

كتابيات

- (۲) تھیرالدی ہاتی ۔ کتب خانہ سالار جنگ کے ار دو مخطوطات
- (۳) نصیرالدین ہاتی۔ کتب خانہ آمنیہ کے اردو مخطوطات (جلدالال)
 - (۴) عروس الاذ کار از نقش حیدر آبادی مرتبه ا**ضر صد لیقی امرو** و دی
 - (۵) مشفق خواجه جائزه ار دومخطوطات (جلداق ل)
 - (٢) عزيز جنگ ـ تاريخ النوائط_

مخطوطات

- (۱) مثنوی اثنیاق نامه نخزونه کتب خانه آصغیه مخطوطه نمبر ۳۳۵ مثنوی -
 - (۲) مثنوی اشتیان نامه مخزونه کتب خانه سالار جنگ مخطوطه نمبر ۳۲۳ م.
 - (۳) مشوی جوهر عثق مخرونه کت خانه ادارهٔ او بهایت ار دو مخطوطه نمبر ۱۰۱-
 - (٣) ديوان جو برخ مخزونه كتب خانه آمغيه مخلوطه نمبر ١٦٢٩ ـ
 - (۵) دیوان شهوار مخزونه کتب خانه امغیه مخطوطه نمبسر ۲ سا۲ ۱ ۱ ـ
 - (۲) و یوان شهوار پخزونه کتب خانه ادارهٔ ادبیات ار دو به مخطوطه نمبر ۲۳۹ به
- (عُ) تذكره عطائه حمكين (عروس الاذكار) ادارهٔ او بیات ار دو مخطوطه نمبر ۹۲ ۸-

علی عاول شاه ثانی شاهی د کنی اُردو کا ایک باکمال سخن ور

الدالمظفر علی عادل نام ، شاہی تخلص می مملکت بیجابور کے مشور حکمران جگت گرو ابراهیم عادل شاہ ثانی کا بوتا اورسلطان محمد عادل کا بدیا تھا مشاہی ۱۲ ربیع الثانی محمد ابدا ہوا مطابق ۲۷ / اگست مطابق ۲۷ / اگست مطابق کو بروزِ جمعہ بدیا ہوا معجز نامی شام نے درج ذیل شعر سے اس کی تاریخ ولادت نکالی ہے :

ماتنے از نه فلک از سرِ دُوق نشاط مولدِ شزاده گفت سکوکبِ شوکت رسدِ س(۱)

- 1. MA

محمہ عادل شاہ کی وفات کے بعد ملکہ خدیجہ سلطان اور دیگر ارکانِ سلطت نے شرادہ علی کو عادل شاہی خاندان کے آٹھویں حکمران کی حیثیت سے الان ہے میں آٹھ میں تخت سلطت پر مثمن کیا (۲)۔ شاہی نے بیجاپور کے علمی و ادبی احول میں آٹھ کھولی ۔ عادل شاہی خاندان کے ادب پرور روایات اور خدیجہ سلطان کی تربیت کی وجہ سال شاہ خاندان کے ادب پرور روایات اور خدیجہ سلطان کی تربیت کی وجہ سال کے اندر شعر و محن اور فنونِ لطیفہ کا انچا فوق پیدا ہوگیا تھا۔ واوا (ابراہیم عادل شاہ خانی) معمول کی شخت گرو سے لقب سے مشور ہوا تو پوتے نے اُسادِ عالم سے نام سے مقبولیت عاصل کی ۔ شاہی نے جس نہانے میں حنانِ حکومت اپنے ہاتھوں میں سنجمال معبولیت عاصل کی ۔ شاہی نے جس نہا میں عنانِ حکومت اپنے ہاتھوں میں سنجمال معلون خود ملک کے سرکش امراکی بغاوتیں اور فتہ سلانیاں تھیں تو دوسری طرف مغلوں اور مرمٹوں کی سازشیں اور مکاریاں ، لیکن کم سنی کے باوجود علی عادل شاہ خانی نے تحد بر اور بہت کے ساتھ ان سب کا بے جگری سے مقابلہ کیا اور فتح حاصل کی ۔ شاہی نے تحد بر اور بہت کے ساتھ ان سب کا بے جگری سے مقابلہ کیا اور فتح حاصل کی ۔ شاہی نے تحد بر اور بہت کے ساتھ ان سب کا بے جگری سے مقابلہ کیا اور فتح حاصل کی ۔ شاہی نے تحد بر اور بہت کے ساتھ ان سب کا بے جگری سے مقابلہ کیا اور فتح حاصل کی ۔ شاہی نے تحد بر اور بہت کے ساتھ ان سب کا بے جگری سے مقابلہ کیا اور فتح حاصل کی ۔ شاہی نے بر اور بہت کے ساتھ ان سب کا بے جگری سے مقابلہ کیا اور فتح حاصل کی ۔ شاہی نے برادہ جن میں سال کی عمر میں استقال کیا ۔ بہاتین السلاطین کے مولف نے اس

کی جوال مرگ کی وجہ بے اعتدالی اور حد سے براحی ہوتی عیش کو ٹی بتاتی ہے (س)۔

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ شاہی کو دکنی زبان سے بے حد لگاؤ تھا اور اس زبان کی ترتی کے سلسط میں اس نے کوئی کسر نمیں اٹھاد کھی ۔ اس کے عمد حکومت میں بیجاپور علم و ادب اور شعر و سخن کا گھوارہ بن گیا تھا۔ وہ علما، فصلا اور ابلِ قلم کا قدروان تھا اور خصوصاً شاعروں کی بست عزت کرتا تھا۔ وکنی شعراکی قدر افزائی اور سررستی تھا اور خصوصاً شاعروں کی بست عزت کرتا تھا۔ وکنی شعراکی قدر افزائی اور سررستی کے سلسط میں اس نے بڑی دریادل کا مظاہرہ کیا۔ شاہی کے درباد سے وابسة علما، مورخ کے سلسط میں اس نے بڑی دریادلی کا مظاہرہ کیا۔ شاہم فتح اللہ شیرازی ، قاضی سید کر بھے اور شعرا میں شاہ الدالمعالی ، قاضی سید نور اللہ ، علامہ فتح اللہ شیرازی ، قاضی سید کر بھے

علی عادل شاہ شاہی آیک قادر الکلام اور برا گو شاعر تھا۔ وکنی اُردو اور فاری دونوں میں شعر کہنا تھا۔ لیکن اس کی طبیعت کا میلان اپنی مادری زبان وکنی کی طرف زیادہ تھا۔ تاریخ گوئی میں بھی ممارت رکھنا تھا۔ چتاں چہ اس نے بادشاہ محل اور شرف برخ کی تعمیر کے موقع بر تاریخ قطعات بھی کے بیں۔

شای کی مطبوعہ کلیات میں تھے تصیدوں ، تین مثنولیں ، بیس عزلوں اور سولہ مرشوں کے علاوہ ایک تمس ، ایک مثن ، ایک تعد ، ایک رُباعی (۱۲) ، ایک بیلی اور تین فردیات کے بہلو ہیت ، کبت ، دوہرے اور تجولنا بھی خاصی تعداو میں موجود بیں ۔ تجد تصائد میں سے ابتدائی تین تمد و نعت اور منقب حضرت علی میں بیں ۔ تحدید بیں ۔ تحدید تصیدہ کے ابتدائی چند اشعار منائع ہو کے بیں ۔ موجودہ حالت نیں یہ تصیدہ ۲۷ / ابیات بیر عیط ہے ۔ نعتیہ تصیدہ ۲۵ / ابیات بیر عیط ہے ۔ نعتیہ تصیدہ ۲۵ / ابیات بیر عیط ہے ۔ نعتیہ تصیدہ ۲۵ / اشعار پر مشمل ہے اور ای طرح منقبتی تصیدہ کے

اشعار کی تعداد بھی ۵۰ ہے۔ چوتھا تصدہ بارہ اماموں کی منقب میں کھاگیا ہے جو ۱۹۵ اشعار پر ختم ہوتا ہے اور بھی شاہی کا سب سے طویل تصدہ ہے۔ پانچاں تصدہ علی داد محل کی تعریف میں کھا ہوا ہے جو ۴۵ / ابیات پر شیط ہے۔ یہ شاہی کا دوسرا بڑا تصیدہ ہے۔ مطات کی تعریف و توصیف میں محمد قلی تطب شاہ اور عبداللہ قطب شاہ نے مرتبہ کو بھی تصدیدے سپرو قلم کے بیں لیکن یہ تصدیدے شاہی کے اس تصدیدے کے مرتبہ کو نمیں بینچے۔ شاہی کا چھٹا اور آخری تصدہ ایک محبوبہ کی تعریف میں ہے جس کے اشعار کی تعداد ۱۹ ہے۔

شاہی و بستان بیجالور کا ایک اہم تصیدہ نگار ہے۔ اس کے تصیدوں میں نعرتی کے قصاد کی طرف رفعت تحیل ، شوکت لفظی ، علوے مضامین ، ندرت خیال ، فورسیان اور جدت اوا سمی کچھ موجود ہے۔ اس کے چھ تصیدوں میں سے ابتدائی چار شاعر کے ہذہبی جذبات سے لبریز ہیں۔ یی وجہ ہے کہ ان میں بے جا نفاعی اور مبالخہ کے بات میں بے با نفاعی اور مبالخہ کے بات میں بے با نفاعی اور مبالخہ کے باتے بے ساختگی اور جذبات عقیدت و احترام کی جملک نظر آتی ہے۔ ان قصیدوں میں جاتے ہے ساختگی اور فن کارانہ صلاحیتوں کا بھی تجربور مظاہر کیا ہے۔

شاہی کے ہاں تصدہ چرخمیہ بھی ملتا ہے اور لامیہ بھی ۔ اول الذکر قصیدے میں شاعر ، چرخ یا آسمان سے متعلق الفاظ ؛ تراکیب اور تشبیبات و استعارات کا اہتمام کرتا ہے اور آخر الذکر تصیدہ کے قوانی حرف لام پر ختم ہونے والے ہم وزن الفاظ پر مشمل ہیں ۔ اُروو میں سودا آ اور حُسن کاکوروی کے لامیہ تصدیدے بہت مشور ہوئے ۔ وکنی میں شاہی کے علاوہ نعرتی اور غوامی کے لامیہ تصدیدے بھی اہمیت کے عال ہیں ۔

شاہی نے اگرچہ کہ مرف تھ تصدیے اپنی عیادگار مچبوٹ ہیں لیکن قلیل سرمایہ تصائد کے باوجود اس کو دکنی کے بلند پایہ اور باکمال تصدیدہ نگاروں میں ایک امتیازی اور نمایاں مقام حاصل ہے۔ بہ قول ^طوا کر مجمیل جالبی :

م شاہی کے قصیدوں کی نمایاں خصوصیت اس کا لطفِ تخیل ہے ، جس کی مدد سے وہ احساس کی ایک خوب صورت تصویر بنادما ہے ۔ رواں بحروں کے ذریعہ وہ خیال کی جرد شکل کو نظر آنے والے اشیار کی مدد سے اس طرح ابھار تا ہے کہ خود خیال ہمارے احساس کا حصد بن جاتا ہے۔۔۔۔ قصیدے کی روابیت میں شاہی کو نظر انداز نمس کیا جاسکتا " (۵)۔

کلیات شای میں تین محتصر مشنویاں بھی موجود ہیں۔ پہلی مشنوی مضیب نامہ " ۱۲۷ ابیات پر مشتمل ہے جس میں حصرت علی کی فتح خیببر کو موضوع سخن بنایا گیا ہے۔ دوسری اور تعیری مثنوی میں ٤/٤/ اشعار ہیں۔ ان مشنویوں میں محبوب کے حس و تبال اور اس کے متعلقات کو تشییسوں اور استعاروں میں بیان کیا گیا ہے۔

جہاں تک عزل گوئی کا تعلق ہے ، شاہی دہستانِ دکن کے چند ممآز ، صاحب دیوان متغزلین میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی عزلوں کے مصامین و موضوعات میں تنوع اور رنگار نگی پائی جاتی ہے۔ اپ وادا جگت گردی طرح وہ بھی نغمہ و نشاط کا شاعر ہے۔ اس کے طام میں سادگی اور برجستگی کے علاوہ حقیقت نگاری اور اپنے ماحول کی عکاسی کا رخان بھی نمایاں ہے۔ اس کے طام کا بیشتر حصہ محبوب کے حسن و تجال ، خدو خال اور رفتار و گفتار کی تعریف و توصیف سے بحرا رہا ہے۔ شاہی سی عزلیں زبان و بیان ، اور رفتار و گفتار کی تعریف و توصیف سے بحرا رہا ہے۔ شاہی سی عزلیں زبان و بیان ، اظہار و اسلوب کے نقطہ نظر سے ایک منفرد حیثیت کی حال بیں۔ اس کی تشبیسوں اور اختیاروں میں بڑی تازگی ، ندرت اور بانکین کا احساس ہوتا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں :

ن کال پر نکہ کا نشال دسا ہے بجہ اس دھات کا روش شغل میں جگگے جیوں چاند پہلی رات کا ابرو کماناں کھینچ کر مارے پلک کے تیروں سوں زخی ہوا دل کا برن ، لاگیا نشاں تجہ بات کا بھاندے کے دو زلف گھنگروال کھبالے بجہ نین کھیرو کے بدل تل رکھے چارا

محد قل ، غوامی یا حن شوقی کے مقابلہ میں شاہی کی عزل کی زبان کسی

قدر خیر مانوس اور اجنبی معلوم ہوتی ہے۔ اس نے اپنے کلام میں فاری اور سنسکرت کے اوق الفاظ کو کھیانے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے مترخم اور رواں ، محروں کے المت المرئی الحری سی کیفیت اور کھردرے پن کا

دیدم نظر بحر روپ جو اس شوخ چک مستند را گفتم بیا مندر سے روش بکن کاشاند را بمائی سو مانگ ہے سیس بھول برہمن انت وال جملک گیا سو دو تیرت کی گت کول

ہذکورہ بالا رتحان کے برخلاف شاہی کی رشختیوں میں زیادہ دل کئی اور تاثر کی فراوانی نظر آتی ہے۔ اس کی رشختیوں میں ایک باوفا مندوستانی عورت جلوہ گر ہے جو سایے کی طرح اپنے پیا کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ سجن کی دِل جوئی کرنا اور اسے رجھانا ہی اس کا محبوب مشخلہ ہے :

مجن ملے بلادیں جو چلوں گی پادّ کر سیس سول پرت لا معدتے رہنے نہ او مجبوں گی کدھیں کِس سول میں مجاوّں ہو پیا سنگ لاگی رہی ہوں وائم حواثی :_____ کیل جدا نہ ہونا وصلت اسے کے ہیں

(۱) سدِ مبارز الدين رفعت ـ هيات شاي ـ م ۸ ـ

(۲) اس موقع پر مولانا بلل نے بہ طریق تعمیہ ایک قطعہ تاریخ کھا تھا ، جس کا مندرج ذیل مصرصہ نے بادشاہ کے سکہ پر بھی کندہ ہے : بانشین محمہ است علی (۳) کمیات شاہی ۔ ص ۱۲۔

(٣) و اکر مجیل جالبی نے انجن ترقیِ اُردو کراچی کی ایک میاض میں شاہی کی مزید چھ رباعیوں کی نشان دی کی ہے۔ بہ حوالہ ستاریخ ادب اردو سر جلد اول) مجلسِ ترتی ادب لاہور ہے۔ اور مصر ۱۳۷۸۔ (۵) ستاریخ ادب اُردو سر (جلد اول) من ۱۳۷۵۔ ۱۳۲۳۔

عهد عثنانی کاار دوادب

حیررآباد فرخندہ بنیاد، عہدتد کم ہی سے اردوزبان وادب کا گہوارہ رہا ہے۔
موجودہ معلومات کی روشن میں فیروز، محمود اور خیالی دبستان گول کنڈہ کے اولین شعراء ہیں سیہ تینتوں سخن ور ابراہیم قطب شاہ کے دور (۱۵۵۰ء – ۱۵۸۰ء) سے تعلق رکھتے ہیں نہ قطب شاہ ، محمد قطب شاہ ، محمد قطب شاہ ، معبداللہ قطب شاہ ، اور ابوالحن تا تاشاہ صاحب سف و قلم گزرے ہیں ۔ جنہوں نہ صرف میدان ،
کارزار میں لینے کارہائے نمایاں انجام دیے ، شاعروں اور ادیبوں کی سرپرستی اور تدردانی کی ، بلکہ خوو بھی و کئی اردومیں طبح آزمائی کی ۔ مملکت گول کنڈہ کے پانچویں مکم ران سلطان محمد قلی قطب شاہ کو اردوکا پہلا صاحب دیوان شاعر بننے کا اعزاز بھی حاصل ہے ۔ قطب شاہی وور کے دیگر شعرااور ادیبوں میں وجی ، غوامی ، ابن نشامی عاصل ہے ۔ قطب شاہی وور کے دیگر شعرااور ادیبوں میں وجی ، غوامی ، ابن نشامی کائز، طبحی اور جنیدی سے نام قابل فرکر ہیں ۔

قطب شاہی سلطنت کے زوال کے بعد، آصف جاہی سلطنت کا قیام عمل میں آیا۔ آصف جاہی سلطنت کا قیام عمل میں آیا۔ آصف جاہی سلاطین نے سرزمین دکن پر تقریباً دو صدیوں تک حکم رانی کی۔ آصف جاہ، ناصر جتگ شہید اور نواب صلابت جاہ کے دور تک مملکت آصف یہ کا پایہ۔ تخت اور نگ آباد رہا اور نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے عہد میں اور نگ آباد کی جگہ حیر آباد کو دار الخلاف بنایا گیا۔ آصف جاہی دور، آری ذرک میں علوم و فنون اور شعر وادب کے ارتقاء کے اعتبارے ایک روشن باب کی حیثیت رکھتا ہے۔

نواب میر قمر الدین خان آمن جاہ اول نے ۱۳۳۱ء کا ۱۷۲۲ء میں اس سلط ت کی بنیادر کمی تھی ۔آگر چہ ان کی زندگی کا بیش ترحصہ بتنگ وجدال اور سلطنت کے استحکام میں گزرالیکن شعرا ، ادیبوں اور اہل کمال کی انھوں نے دل کھول کر سرپرستی اور ہمت افزائی کی ۔وہ خو د بھی فارس کے انھیے شاعر تھے۔اس دور کے اردو ہاء دں میں درگاہ قلی خال درگاہ ، علی نقی خال ایجاد اور مرز اداؤد کے نام اہمیت کے حامل ہیں نواب ناصر جنگ شہید (۱۲۵۸ء – ۱۲۵۱ء) ناصر تخلص کرتے تھے ۔ قارسی اور اردو کے علاوہ سنسکرت زبان پر بھی انحییں دست گاہ حاصل تھی ۔ قارسی میں ان کے بنین دیوان شائع ہو چکے ہیں ۔ مختلف تذکر وں میں ناصر جنگ کے اردو کلام کے تمونے بھی ملتے ہیں ۔ اس دور کے نام ور اردو شعرا میں محمد ماہ محرم ، عاشق علی خال ایما ، عبدالحی خال صارم اور مولانا آزاد بلگرامی کے نام قابل ذکر ہیں ۔

نواب صلابت جاه (۱۵۹۱- ۱۵۹۱-) اپنے والد آصف جاه اول اور بھائی ناصر بھائی ناصر بھائی ناصر بھائی ناصر بھائی کی طرح علم وادب اور شعرو سخن کی سربرستی کے سلسلے میں کافی شہرت رکھتے تھے ان کے عہد میں ایک طرف نوازش علی خال شیدا نے "اعجاز احمدی " اور " روخت الاطہار "، " غلام قادر سامی " نے "سرو وشمشاد "اور سراج اور نگ آبادی نے " بوستان بخیال " جسی بلند پاید شنویاں قلم بند کیں تو دوسری طرف تذکره نگاری کو بھی فروغ خاصل ہوا جتاں چہ حمید خال نے اپنا تذکره " گشن گفتار " افضل بھے خال قاقشال فاصل ہوا جتاں چہ حمید خال نے اپنا تذکره " گشن گفتار " افضل بھی خال قاقشال فی " سی دور فی میں مرتب کیا۔

نواب میر نظام علی خان آصف جاه تانی (۱۸۳۲ء – ۱۸۰۱ء) کے عہد میں آصف جا پی سلطنت کاصدر مقام اور نگ آباد سے حیدرآباد منتقل ہوا۔ جس کی وجہ سے یہ شہر ایک بار پیر علی و ادبی سرگر میوں کا مرکز بن گیا۔ آصف جاہ ثانی اور سکندر جاہ شہر ایک بار پیر علی و ادبی سرگر میوں کا مرکز بن گیا۔ آصف عاه ثانی اور سکندر جاہ ۱۸۰۲ء) کا دور حکومت ار دو شعر و ادب کے فروغ کے سلسلے میں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ اس دور میں شعر و شاعری کے پہلو بہہلو تاریخ نگاری اور تذکر ہ نہیت رکھتا ہے۔ اس دور میں شعر و شاعری کے پہلو بہہلو تاریخ نگاری اور تذکر ہ نویسی کی طرف باتاعدہ توجہ مرکوزی گئ ۔ منعم خان ہمدانی مولف " سوائح و کن "، شاہ تحلی علی مولف " آصف عامہ "، پھی نرائن شفیق مولف " چمنستان شعرا"، وزیر میر عالم مولف " حدیقتہ العالم "، مشی قادر خان بیدری مولف " تاریخ و کن "، محمد فیق اللہ منتی مولف " خزانہ کہ ہرشاہ وار "، مرزاعلی لطف مولف " گشن ہند "، میر قمر الدین مولف " مجمع الانتخاب " اس

دور کے نام ور مورخ اور تذکرہ نگار تھے۔

ناصر الدولہ آصف جاہ رائی (۱۲۹۳ء ۱۸۵۰ء) کے عہد میں اردو شعرہ من کے خوب چرچ ہوئے ، مہاراجہ چندولال شاداں کی مربرستی کی وجہ سے شاہ نصیر دہلوی حسین علی ایمااور ولاور علی نمان صغاجیے با کمال سخن ور حیدرآباد میں واد مخن دے رہے تھے۔ نواب افضل الدولہ آصف جاہ خامس (۱۸۵۷ء ۱۸۹۰ء) کا دور شعروا دب خصوصاً اردو نثر کے ارتقا کے سلسلے میں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے ۔ اس عہد میں مختلف علوم و فنون جیے ریامنی ، فلسفہ ، تاریخ ، ہئیت ، ہندسہ ، کیمیا ، طبیعیات وغیرہ میں بندسہ ، کیمیا ، طبیعیات وغیرہ میں بندسہ ، کیمیا ، طبیعیات وغیرہ میں بندس کو بہلو انگریزی علوم و فنون کی گئیں اور اس کے بہلو بہلو انگریزی علوم و فنون کی گئیں اور اس کے بہلو بہلو انگریزی علوم و فنون کی گئیں اور اس کے بہلو بہلو انگریزی علوم و فنون کی گئیں اور اس کے بہلو بہلو انگریزی علوم و فنون کی گئیں اور اس کے بہلو بہلو انگریزی علوم و فنون کی گئیں اور اس کے بہلو بہلو انگریزی علوم و فنون کی گئیں کیا گیا۔

نواب مير محبوب على خال آصف جاه سادس (١٨٦٩ - ١٩١١) كا عهد عكومت حیدرآباد میں شعروادب اور علوم و فنون کے نشوو نما اور ارتقا کے سلسلے میں ایک یادگار دورکی حیثیت رکھتا ہے ۔خود بادشاہ وقت (میر محبوب علی خاں) کو نظم و نثر دونوں پریک ساں عبور حاصل تھا۔آصف شخلص کرتے تھے اور انھیں داغ دہلوی ے آگے زانوے تلمذ تهد کرنے کاموتع ملاسان سے دربارے وابستہ شعرا میں و فع کے علاوہ جلیل ہانک یوری اور امیر بینائی جیسے اساتذہ سخن و نیزمہار اجہ کشن پر شاد شاد نظم طباطبائی، حبیب کنتوری، ظهیرالدین ظهیر دہلوی اہمیت رکھتے ہیں۔میر محبوب علی نماں کے دور میں شاعری اور نٹرنگاری دونوں کو خاصا فروغ حاصل ہوا۔قدر دانی اور سربرستی کی توقع میں شمالی ہند کے شعرااور نٹرنگار حیدرآباد کارخ کرنے گئے ۔شمالی ہند ہے حیدرآباد آنے والے انشاپر دازوں میں عبدالحلیم شرر ، بنڈت رتن نامج سرشار ڈٹٹ مذیر احمد ، مولوی چراغ علی ، محسن الملک اور شیلی کے نام قابل ذکر ہیں ۔اس وور میں نثر نگاری کے سیدان میں بعض حیدرآبادی معتقین نے بھی بے مثال کار ناہے انجام دیے ہیں ۔جیسے عبدالجبار خاں صوفی ، مانک راؤ د ٹھل راؤ ، نواب عزیز جنگ ولا، انوارالند خاں فعنیلت جنگ وغیرہ ۔ نواب میر محبوب علی خاں کے دور کا ا کیب یادگار کار نامہ ار دو کو سرکاری زبان بنانا ہے ۔ اسلاھ میں انھوں نے ایک حکم ناہے کے ذریعے ار دو کو سرکاری زبان کا درجہ دے دیا۔ بحس کے نتیج میں تمام دفاتر

آصن جاه سابع نواب مير عثمان على خال كا دور (١٨٦٩ه - ١٩٩٧ء) دراصل یادگار دور ہے سیہ عہد مختلف علوم و فنون کے علاوہ ار دو شعر و ادب کے نشو و نما کے سلسلے میں عہد زرین کی حیثیت رکھتاہے ۔خود آصف جاہ سابع نہ صرف ایک با کمال شاعراور نثرنگار تھے بلکہ ار دو زبان و ادب کی ترقی اور ترویج و اشاعت کے لیے بھی انھوں نے غیر معمولی کارناہے انجام دیے ہیں ۔ان کے دور چکو مت میں یہ صرف ار دو زبان کو ایک ادبی اور تعلمی زبان کی حیثیت سے فروغ حاصل ہوا بلکہ ترتی یافتہ ز بانوں کے علوم و فنون کو پہلی مرتبہ باقاعدہ اور منظم طریقے سے ار دو میں منتقل کیا گیا ۔ار دو کے شہرہ آفاق اہل قلم شبلی نعمانی ، عبد الماجد دریا بادی ، سید سلیمان مدوی ، ظفر علی خاں ، نواب میرعثمان علی خاں کی سرپرستی اور قدر افزائی کے سبب ار دو زبان و ادب کی گراں بہا خد مات انجام دیتے رہے ۔ایک علم دوست حکم ران کی حیثیت سے میر عثمان علی خاں نے ملک تجرکے مدرسوں ، کالحوں اور جامعات کی سرپرستی کے علاوہ ار دو کی انجمنوں اور بڑے بڑے ادار وں کو بنیش بہاا مداد دی ہے ۔ مثلاً مسلم يو نيورسڻ علي گڙھ ، مدرسه نظاميه حيدرآباد ، دارالعلوم ديو بند ، اسلاميه ٻائي اسکول الناوه ، ندوة العلماء لكصنو ، محبوب كالج سكندرآ باد ، جامعه مليه وبلي ، ذومسشك سائنس کانج دہلی وغیرہ ۔

بہ قول مولوی نصیر الدین ہاشی " اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کے زیانے میں ۱۳۳۹ ھے تک حن ارباب علم کو ماہ وار مقرر ہوئی یا سابقتہ ماہ وار میں اضافہ ہوا ان کی تفصیل یہ ہے:

" مدیر پیسہ اخبار لاہور کو سالانہ ایک ہزار ، تصانیف امیر خسرو کی طباعت کے لیے پندرہ ہزار ، شفقت علی خاں شاہ جہاں پوری کو کتب کتب کے سلسلے میں پانچ سو ، عبدالرؤن صاحب شوق کو مثنوی "مرقع رحمت " کے لیے پانچ سورو پید کیہ مشت اور پانچ سوجلدوں کی خریداری کاحکم، سید سجاد حسین صاحب ایڈیٹر اور چیخ کی بیوہ کے

سے پانچ سو کلدار، فرید احمد صاحب عباس کو بہ صلہ ، تصنیف پانچ سو بنگور انڈین انسٹی ڈیوٹ آف سائینس کو دس ہزار سالاند، آل انڈیا ہیو کیشن کانفرنس کو سالاند چھ ہزار تصانیف کے لیے کیے مشت اکیک لاکھ اکہ جزار پانچ سو روبے ، محب الحق صاحب بانکی پوری کو پانچ سو کیے مشت اور پچاس روبے ماہ وار، عبداللہ خاں صاحب کی کتابوں کے لیے پانچ سو کیے مشت ، سید لیسین علی صاحب مصنف کتابوں کے لیے پانچ سو کی مشت ، سید لیسین علی صاحب مصنف تفسیر کو پچاس روبے ماہ وار، سید محمد حسین صاحب اغلب موہانی کو تصنیفات کے صلے میں پچاس ماہ وار، مولوی عبدالحلیم صاحب شرر کو پانچ سو ماہ وار، ظفر علی خال کو ججے سو اور ان کے لڑے اختر علی کو ماہ دار ، ظفر علی خال کو وضع اصطلاحات کے لیے سالانہ تیس ہزار وار ، انجمن ترقی اردو کو وضع اصطلاحات کے لیے سالانہ تیس ہزار ویک کی امداد دی گئی (۱)۔

جامعہ عثمانیہ کا قیام آصف جاہ سابع کے دور کا ایک بے مثال کار نامہ ہے۔
نواب میر عثمان علی خال نے ۱۹۱۸ء میں ایک شاہی فرمان کے ذریعے جامعہ عثمانیہ کے
قیام کا اعلان کیا تھا۔ ریاست حیدرآباد میں اردویونی ورسیٰ کے قیام کی ضرورت
ایک طویل عرصے سے محسوس کی جارہی تھی۔ لیکن یہ خواب آصف جاہ سابع نواب میر
عثمان علی خال کے عہد میں شرمندہ تعبیر ہوا۔ اس وقت کے ہوم سکریٹری سر اکبر
حیدری نے انگریزی زبان کو ذریعے تعلیم بنانے کے نقائص کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے ریاستی وزیر تعلیم کو ۱۹۱ء میں ایک یادواشت پیش کی تھی جس میں اردو کو
ذریعہ۔ تعلیم بنانے کی پرزور حملہت کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

- (۱) ار دو ہندستان کے بہت بڑے حصے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔
 - (۲) ار دوریاست حیدرآباد کی زبان ہے۔
- (٣) یہ ایک آریائی زبان ہے اور ملک کی دوسری زبانوں سے اس کا تر بی دشتہ ہے اور
- (٣) سيد الكيب السي زبان ب جورياست كي آبادي كي بهت برا حصف مي بولي اور

کھی جاتی ہے اس کے ساتھ ساتھ اکبر حیدری نے اس بات پر زور دیا کہ یونی ورسٹی کی تعلیم کے ہردرہے میں انگریزی لازی زبان کی حیثیت سے ہڑھائی جانی چلہیے "(۲) س

جانی چاہیے "(۲) ۔ اس یاد داشت کو اس دقت کے دزیر تعلیم نے ۱۲۲ اپریل ۱۹۱۶ء کو نظام ہفتم میر عثمان علی خاں کی خدمت میں پیش کیا تھا جس کے دو دن بعد آصٹ سابع کی سال کرہ کے موقع پر ایک شاہی فرمان کے ذریعے عثمانیہ یونی درسٹی کے قیام کا اعلان کیا گیا جس میں لکھاتھا کہ:

"ریاست حیدرآباد میں ایک یونی ورسٹی کا قیام عمل میں لایا جانا چاہیے جس میں قدیم وجدید، مشرقی و مغربی فنون اور سائنس کی تعلیم کچھ اس انداز میں دی جائے کہ مردجہ تعلیم کے نقائص دور ہوں اور جسمانی، ذمنی اور روجانی نشو و نما کے تمام عصری طریقوں سے استفادہ ممکن ہو ۔اس طرح کہ ایک طرف طلبا کو اعلیٰ سطح پر تعلیم و ریسرچ کے تمام مؤاقع عاصل ہوں اور دوسری طرف ہر طالب علم لازمی زبان کی حیثیت سے انگریزی میں بھی مہارت عاصل کرے ۔ میں بڑی مسرت کے ساتھ ریاست حیدرآباد میں میری تخت نشینی کی میں بڑی مسرت کے ساتھ ریاست حیدرآباد میں میری تخت نشینی کی یادگار کے طور پر ایک یونی ورسٹی کے قیام کا حکم دیتا ہوں ۔یہ یونی ورسٹی جامعہ حیثانیہ کے نام سے موسوم کی جائے گی "(۳)۔

۲۲/ ستمبر ۱۹۱۸ء کے ایک اور شای فرمان کے بہ موجب نواب میر عثمان علی خال اس جامعہ کے سرپرست اور صدر اعظم مہاراجہ سرکشن پرشاد چانسلر مقرر ہوئے ۔ ۱۹ مجون ۱۹۱۹ء کو جامعہ عثمانیہ کے مختلف عہدوں پر خدمات کے سلسلہ میں تقرارت عمل میں آئے اور ۲۸/ اگست ۱۹۱۹ء کو یونی ورسٹی کی مرکزی عمارت (آرٹس کالج) کا افتتاح عمل میں آیا ۔ مولانا جبیب الرحمن خال شروانی (نواب صدر یار بحثگ) جامعہ متمانیہ کے پہلے وائس چانسلر مقرر ہوئے ۔

عثمانیہ یونی ورسٹی چوں کہ ملک کی پہلی جامعہ تھی جس میں کسی دیسی نہیان کو ذریعہ، تعلیم بنایا جارہا تھا۔اس لیے اس کے قیام کی تجھیز پہیش کرنے والوں کے ذہن میں مختف علوم و فنون جسے سائنس ، نکنالوجی ، میڈیسن ، انجنیرنگ وغیرہ کی کتابوں کی فراہی اور ایک باضابط نظام تعلیم کی ترتیب و تشکیل کا تصور موجود تھا۔
اس مقصد کے لیے ۱/ اگست ۱۹۱۶ء کو سررشتہ ، تالیف و ترجمہ Bureau of اس مقصد کے لیے ۱۹۲۰ اگست ۱۹۱۶ء کو سررشتہ ، تالیف و ترجمہ Compilations and Translations) تا تم کیا گیاتھا جس کے کیوریٹر کی حیثیت سے بابائے ار دومولوی عبدالتی کا انتخاب عمل میں آیا۔

وار الترجمہ جامعہ عثمانیہ اور مجلس وضع اصطلاحات کے قیام کا مقصد صرف نصابی کتابوں کی فراہی یا ترتیب و تالیف اور اشاعت نہیں تھا بلکہ مغربی علوم و فنون سے وسیع پیمانے پر استفادہ کرتے ہوئے تمام علوم سے متعلق زیادہ سے زیادہ کتابوں کوار دومیں منتقل کرنا بھی تھا ہجتاں چہ مولوی عبد الحق لکھتے ہیں

"اس وقت قوم کی بڑی خدمت یہی ہے کہ ترجمہ کے ذریعے سے دنیا کی اعلیٰ درجے کی تصانیف اپنی زبان میں لائی جائیں سیہی ترجب خیالات میں تغیر اور معلومات میں اضافہ کریں گے، جمود کو توڑیں گے اور قوم میں ایک نئ حرکت پیدا کریں گے اور پر آخریہی ترجب تصنیف و تالیف کے جدید اسلوب اور ڈھنگ سجمائیں گے ۔ ایسے وقت میں ترجمہ، تصنیف سے زیادہ قابل قدر، زیادہ مفید اور زیادہ فیض رساں ہوتا ہے "(۲) ۔

سائنسی ، سماجی اور علی موضوعات پر عهد عثمانی سے قبل بھی تصنیف و تالیف کاکام ہوا ہے لیکن نواب میر عثمان علی خاں کے دور میں ان موضوعات پر نہ مرف سائنٹفک انداز میں کتابیں تصنیف کی گئیں بلکہ تعلیمی وحد رہی ضروریات کے پیش نظر مختلف علوم و فنون پرارووزبان میں بہ کثرت کتابیں مکھی گئیں ہجاں تک اس دور کے شعر و ادب کا تعلق سے نواب میر عثمان علی خاں نے اردو شعرا اور نثر نگاروں کی سرپر عتی اور ٹلارافرائی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے خود بادشاہ وقت میر عثمان علی خارج کو شاعری اور نثری نگاری دونوں سے دل جیسی تھی ہوء عثمان کاکلام زیور طباعت سے آداستہ ہو چکا ہے۔۔ تول ڈاکٹرزور:

"سلطان العلوم آصف جاه سابع خو د بھی شاعر ہیں لیکن علم و فضل اور مذہب کا بلیہ بھاری ہونے کی وجہ سے ان کا کلام زیادہ تر عالمانہ اور مذہبی رنگ میں رنگاہوا ہے ۔ انھوں نے وقتاً نوقتاً اخباروں میں جو مضامین اور نوٹ شائع کیے ہیں وہ بھی بالعموم اصلاحی اور تتقیدی ہیں "(۵) ۔

اس دور کے بہت سے شاعروں اور نشرنگاروں نے نواب میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس کے عہد میں مقبولیت حاصل کر لی تھی اور متعد د شعرا اور نثار الیے بھی ملتے ہیں جمعیں عہد عثمانی میں اپنی علمی و اوبی اور فنی صلاحیتوں کے مظاہرے کا موقع ملا اور بے بناہ شہرت پائی سہاں عہد عثمانی کے جند اہم شاعروں اور ادیبوں کا اجمالی تعارف پیش کیاجا تا ہے:

ا مجد (۱۸۸۸ء - ۱۹۹۱ء): سیدا مجد حسین امجداس دور کے ایک قدر آور سخن ور تھے ۔ ان کے والد صوفی سیدر حیم علی کا سایہ لڑ کبن ہی میں ان کے سرسے الحقہ گیا تھا یہی سبب ہے کہ انھوں نے اپنی والدہ کے زیر سایہ پرورش پائی ۔ ابتدائی تعلیم مدر سه نظامیہ اور دار العلوم حیدر آباد میں حاصل کی اور پنجاب کا امتحان منشی فاضل بدر جہ امتیاز کامیاب کیا ہے ۱۹۰۸ء کی طفیائی روو موسیٰ میں ان کی والدہ ، اہلیہ ، وختر اور سار بے افراد نجاندان بہرگئے ۔ صرف امجد ہی تن تہا باتی رہ گئے تھے ۔

امجد نے نظمیں بھی کہیں ہیں اور غزلیں بھی لیکن ان کی شہرت اور نام وری کا دارومدار رباعی گوئی پرہے ۔ وہ ار دو کے سب سے بڑے رباعی نگار سمجھے جاتے ہیں۔ امجد کی رباعیوں میں روحانی حذبات ، عارفانہ کیفیات اور اخلاتی اقدار کا پرخلوص اظہار ملتا ہے ۔" ریاض امجد "(دوجلدیں) اور "رباعیات امجد" (دوجلدیں) ان کی شاعری کے بچوعے ہیں ۔ امجد ایک با کمال سخن ورہونے کے علاوہ صاحب طرز ادیب بھی تھے ۔ شعری بچوعوں کے علاوہ نثر میں ان کی درج ذیل کتابیں شائع ہو تھی ہیں (۱) بھی تھے۔ شعری بچوعوں کے علاوہ نثر میں ان کی درج ذیل کتابیں شائع ہو تھی ہیں (۱) بھی امجد ، بھی تام بھی تام بھی تام بھی تام ہو تا مجد وغیرہ ۔ معنی کانام محمد بہاالدین تھالیکن بہوو علی کے نام صفی (۱۹۳۷ء ۔ ۱۹۹۳ء):

ہے مشہور ہوئے ۔اگر چہ کہ وہ اورنگ آباد کے متوطن تھے لیکن کم عمری کے زمانے میں حیدرآباد آئے اور ہمیشہ کے لیے یہیں ہے ہو کر رہ گئے ۔انھوں نے ضیا گور گانی ، ظہور دہلوی ، فروغ حیدرآ بادی اور رضی الدین حسن کمیفی کے آگے زانوے تلمذ تہیہ کیا تھا۔ صفی ایک قادر الکلام شاعر ہونے کے علاوہ شاعری کے فنی رموز سے بھی کماحتہ و قفیت رکھتے تھے ۔غزل ان کی مجبوب صنف بخن تھی۔اس صنف میں انھوں نے اپنی جدت طبع ، زور کلام ، لطف اوا ، حسن بیان اور شیری زبان کے جوہر و کھائے ۔ان کے کلام میں سادگی و سلاست کا حسن پایاجا تا ہے ۔ واقعیت اور اصلیت کے علاوہ ان کی شاعری میں صوفیانہ افکار کی حرارت بھی ہے اور معاملات حسن وعشق کی نیرنگیاں بھی ۔ان کی اہمیت اور عظمت تعف اس لیے نہیں کہ انھوں نے ار دو غزل کو نمی آب و تاب اور توانائی بخشی بلکہ اس لیے بھی ہے کہ انھوں نے اساد سخن کی حیثیت سے شاگر دوں کی ایک کثیر تعداد کو اپنے فیفن تربیت سے بہرہ یاب کیا ۔ صفی کے کلام کی پہلی اشاعت ان کی وفات کے گیارہ سال بعد "انتخاب کلام صفی " کے عام سے عمل میں آئی اور پیراس کے بعد " پراگندہ " ، فردوس صفی " ، گزار صفی " ، کلام صفی اور مگ آبادی "اور" خمریات صفی " کے نام ہے ان کے مجموعہ ہائے کلام منظر عام پرآئے ۔ جلسل مانک بوری (۸۲۴ء -۱۹۷۸ء): جلیل مانک بورے ایک متوسط علی گھرانے کے خشم و چراغ تھے ۔ ١٢ سال کی عمر میں قرآن ِ حکیم حفظ کیا ۔ عربی اور فارسی کی تعلیم لینے والد حافظ عبدالکریم ہے حاصل کی سزمانہ، طالب علمی ہی ہے شعر گوئی کی طرف راغب ہوئے۔ اپنے وقت کے مشہور استاد بخن حصرت امیر پینائی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ایک عرصے تک امیر پینائی کے ساتھ رام پور میں مقیم رہے • ۱۹۰۰ء میں انھیں کے ہم راہ حید رآباد پہنچ اور یہیں کی خاک کا پیوند بنے ۔شاہان د کن نواب میر محبوب علی خاں آصف اور میر عثمان علی خاں عثمان کے استاد بھی بیننے کا اعزاز یا یا ۔ " اساد السلطان "، " جلیل القدر " اور " فصاحت جنگ " کے خطا بات ہے سرفرا ز

جلیل نے کم و بیش تمام اصناف بخن کو اپن طبع کا موضوع بنایا ہے لیکن بنیاوی طور پر وہ غزل کے شاعر ہیں ۔ بہ تو ل ڈا کٹر علی احمد جلیلی " اشعار فصاحت و بلاغت کا مرقع ہیں اور اعلیٰ درجے کی کلاسیت رکھتے ہیں ۔ اساتذہ لکھنو کا اثر صاف
نمایاں ہے ۔ در حقیقت یہ وہی کلام ہے جو جلیل کو اسادوں کی صف میں لا کھڑا کر تا
ہے متانت، سنجیدگی، بلند خیالی، معنیٰ آفرین اور محاورات کی کثرت ہے "(>)۔
فصاحت بھی جلیل نے "تاج بخن "، "جان بخن "، اور "روح بخن " کے نام
سے غزلوں کے تعین دیوان اپنی یادگار چھوڑ ہے ہیں۔ ان کی نثری تعمانیف میں "عذکی و
تا نیث "، " معیار اردو "، "اردو کاعروض "اور " سوانح امیر بینائی " کے نام آبا بل ذکر
ہیں ۔ حضرت جلیل کا حلقہ ق سلطنت کے علاوہ سینکڑوں شعراان کے حلقہ تلامذہ میں
شامل تھے ۔ ڈاکٹر علی احمد جلیلی نے اپنی کتاب " فصاحب جنگ جلیل " میں میں اور " میں جاگہ والی فہرست دی ہے (۸)۔
شامل تھے ۔ ڈاکٹر علی احمد جلیلی نے اپنی کتاب " فصاحب جنگ جلیل " میں میں خار دان جلیل کی فہرست دی ہے (۸)۔

ميلش (١٩١٤ء - ١٩٣٨ء): صاحب زاده مير محمد على ميكش خانواده آصف جا _تی کے حشم و چراغ اور جامعہ ۔ عثمانیہ سے قابل فخر سبوت تھے ۔ زمانہ ، طالب علمی ہی ہے ان کی ادبی اور شعری صلاحیتیں نمایاں ہونے لگی تھیں ۔ان کے ابتدائی دور ے کلام میں عشقیہ مضامین وموضوعات کے ساتھ ستاھ عہد اِضطراب کی ترجمانی بھی ملتی ہے ساور بچرجوں چوں ان میں ترقی پسند تصورات کا شعور بڑھتا گیا تو وہ ترتی پسند نظریات کے علم بردار بن گئے ۔ میکش بیک وقت شاعر بھی تھے اور افسانہ نگار بھی ، انشا پرداز بھی تھے ادر نقاد بھی ، ڈراما نویس بھی تھے اور مزاح نگار بھی ۔لیکن ان کی شہرت کا دار دمدار نثر نگاری پر نہیں بلکہ شاعر**ی پ**ر ہے۔ میکش نے اپنی شاعری کے تمین بمریعے "کریہ و تبسم"،" نوید "اور کھوئے ہووؤں کی جستی " یاد گار چھوڑے ہیں ۔ بعد کو اول الذکر دو محموعه ہائے کلام کی منتخب منظومات پر مشتمل شعری مجموعہ "میخانہ " کے نام سے منظرعام پر آیا ہے۔جس میں ان کے مطبوعہ کلام کے علاوہ غیر مطبوعہ تخلیقات بھی شامل ہیں ۔ جہاں تک میکش کی نٹرنگاری کا تعلق ہے ان کے متعدد مضامین اور مقالے ملک کے بیش ترعلی واد بی رسائل میں بکھرے بڑے ہیں -ان بے ریڈیائی ڈراموں کا ایک جموعہ " کاغذ کی ناؤ " جیپ حکا ہے -لظم طباطبائي (١٨٥٢ء- ١٩٣١ء): على حيدر نظم طباطبائي لكمنوك متوطن

تھے۔ایک عرصے تک انھوں نے کلکتہ میں قیام کیا تھا۔۱۵ساھ میں نواب واجد علی شاہ
کی وفات کے بعد حیار آباد علی آئے اور ہمیشہ کے لیے عہیں کے ہوکر رہ گئے۔اجھر آو
کتب خانہ، آصفیہ کے مہتم اور بعد کو کو نظام کالج میں عربی کے پروفسیر مقرر ہوئے او
دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ میں بھی خدمات انجام دیں ۔نظم بیک وقت شاعر بھی تھے او
نثر نگار بھی ۔انھیں عربی ، فارسی اور ار دوتینوں زبانوں پر غیر معمولی عبور حاصل سھا
بہ تول ڈاکٹر زور:

" فضل و کمال اور شعرو سن میں مسلم النبوت اساد تھے ۔ عربی ، فارسی اور ار دو میں متعدد کتا ہیں لکھیں جن میں شرح دیوان غالب ، شرح تشریح الافلاک ، تعریف نحو ، بینات ، معربات ، تحقیق لون و شعاع ، مثنوی شقشقیہ اور دیوان صوت تغرل مطبوعہ اور مشہور ہیں (9)۔

مخدوم (۱۹۰۸ء ۱۹۲۹ء): مخدوم می الدین ضلع میدک کایک گاؤی تریدا ہوئے ۔ عثمانیہ یونی ورسیٰ ہے ۱۹۳۸ء میں ایم اے کرنے کے بعد گور سخت سی کالج حیدرآباد میں اردو کے اساد مقررہوئے ۔ اپنی آزاد خیالی اور انقلابی نظریا کی وجہ سے ملازمت ترک کر کے عوامی اور سیاسی تحریکوں سے وابستہ ہوگئے ۔ اسلیط میں انھیں قید و بندکی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں ۔ مخدوم نے کمیعو تس پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے متعدد ممالک کا دورہ بھی کیا۔ انھوں نے کمیو تر پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے متعدد ممالک کا دورہ بھی کیا۔ انھوں نے کمیو تر اختراکیت کا مفس نظریاتی طور پر پرپوار ہی نہیں کیا بلکہ عملی طور پر کسانوں، مزوور رادر محت اور محت کشوں کے سات کی حرارت اور دمک ملتی ہے ۔ کسان، مزدور، روئی، بھوک اور سفت احساسات کی حرارت اور دمک ملتی ہے ۔ کسان، مزدور، روئی، بھوک اور سفت میں خاتی ہو حیکے ہیں۔ میں خاتی ہو حیکے ہیں۔

و جد (۱۹۱۴ء - ۱۹۸۴ء): سکندر علی وجد اور نگ آباد کے متوطن تھے۔ ویت تعلیم اور نگ آباد ہی میں طاصل کی ۱۹۲۵ء میں جامعہ عثمانیہ سے بی -اسے سمیر حیدرآباد سیول سروس کے لیے متحب ہوئے ، عدلیہ کے مختلف عہدوں پر فائز رہے بمعنی میں سشن جج کی حیثیت سے ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔ وجد نے عزلیں بھی بمبئی میں سشن جج کی حیثیت سے ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔ وجد نے عزلیں بھی کہی ہیں اور نظمیں بھی ، لیکن بنیادی طور پر وہ نظم کے شاعر ہیں۔ زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے الفاظ اور تراکیب کے استعمال میں بڑی نفاست نظر آتی ہے۔ ان کی فقرت حاصل ہے الفاظ اور تراکیب کے استعمال میں بڑی نفاست نظر آتی ہے۔ ان کی مناظر، وار دات عشق ، سیاسی مسائل ، فن تعمیر کے نظموں کے موضوعات میں قدرتی مناظر، وار دات عشق ، سیاسی مسائل ، فن تعمیر کے اعلیٰ نمونے سبھی کچھ شامل ہیں ۔ ان کے کلام سے مجموعوں میں " ہو تر نگ " ، " آفتاب اعلیٰ نمونے سبھی کچھ شامل ہیں ۔ ان کے کلام ہیں ۔ ان کے مطامل ہیں ۔ تازہ " ، " اور ان مصور " اور " بیاض مِریم " شامل ہیں ۔

ر من روس میں مہاراجہ کشن مذکورہ بالا شعراء کے علاوہ اس دور سے ویگر سخن وردں میں مہاراجہ کشن مذکورہ بالا شعراء کے علاوہ اس دور سے ویگر سخن وردں میں مہاراجہ کشن پر شاد شاد ، محمد علی مسرور ، جلال الدین توفیق ، رصنی الدین صغیر ، عبدالقدیر حسرت ، یار جنگ سعید ، نواب عزیز یار جنگ عزیز ، محمد حبیب الدین صغیر ، عبدالقیوم باقی ، جلال محمد حسین آزاد ، رگھویندر راؤ حذب ، راجہ محبوب راج محبوب ، عبدالقیوم باقی ، جلال محمد حسین آزاد ، رگھویندر راؤ حذب ، راجہ محبوب راج محبوب ، علی منظور ، خور شید احمد جای الدین اشک ، صمد رضوی ساز ، علی اختر ، تمکین سرمست ، علی منظور ، خور شید احمد جای الدین اشک ، صمد رضوی ساز ، علی اختر ، تمکین سرمست ، علی منظور ، خور شید احمد جای الدین اشک ، صمد رضوی ساز ، علی اختر ، تمکین سرمست ، علی منظور ، خور شید احمد جای الدین اشک ، صمد رضوی ساز ، علی اختر ، تمکین سرمست ، علی منظور ، خور شید احمد جای الدین اشک ، صمد رضوی ساز ، علی اختر ، تمکین سرمست ، علی منظور ، خور شید احمد جای الدین اشک ، صدر صدی ساز ، علی اختر ، تمکین سرمست ، علی منظور ، خور شید احمد جای الدین اشک ، صدر صدی ساز ، علی اختر ، تمکین سرمست ، علی منظور ، خور شید احمد جای الدین اشک ، صدر صدی ساز ، علی احمد بی مدر صدی ساز ، علی احمد بی مدر صدی ساز ، علی منظور ، خور شید ، مدر صدی ساز ، علی منظور ، خور شید ، مدر صدی ساز ، علی منظور ، خور شید ، مدر ساز ، علی منظور ، خور شید ، مدر ساز ، علی منظور ، خور شید ، مدر ساز ، علی مدر ساز ، عدر ساز ، عدر

اور سلیمان اریب وغیرہ قابل ذکر ہیں -اور سلیمان اریب وغیرہ قابل ذکر ہیں -شعرو سخن کے پہلو بہ پہلو ، ار دو نثر کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں بھی عہد شعرو سخن کے پہلو بہ پہلو ، ار دو نثر کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں بھی عہد

عثانی کو ایک خاص انتیاز حاصل ہے۔ ذیل میں اس دور سے چند اہم نٹرنگاروں کا اجمالی تعارف کر دایا جارہا ہے۔ ایم نٹرنگار میں تھے اور شاعر بھی یفظم گوہر سے غلام صمدانی خال کوہر سے علام صمدانی خال کوہر سے خلام صمدانی خال کوہر

ا مے ان کا ایک دیوان شائع ہو چکا ہے۔وہ ایک ہفتہ وار اخبار "جلوہ محبوب" کے نام ہے ان کا ایک دیوان شائع ہو چکا ہے۔ ایڈیٹر اور ایک ناول "صادق ور حیم النسا" کے مصنف بھی تھے۔ان کی دیگر مزتبہ ایڈیٹر اور ایک ناول "صادق ور حیم النسا" کے مصنف بھی تھے۔ان کی ضخیم ادبی اور مولغہ کتابوں میں "ریاض آصف "اور دو جلدوں پر مشتمل حید رآباد کی ضخیم ادبی

تاریخ "تزک محبوبیہ "اور" در بار آصف " کے نام قابل ذکر ہیں -را جسین ور راؤاصغر: اصخر کو بھی اس دور کے بیش تر مصنفین کی طرح نثر نگاری را جسین ور راؤاصغر: اصخر کو بھی اس دور اور قارسی میں ان کی ۳۵ کتابیں شائع اور شاعری دونوں سے دل حبی تھی ۔ار دو اور قارسی میں ان کی ۳۵ کتابیں شائع

اور شاعری دوبوں سے دل پی سی سار دو اور قار ن یں ان کا سام کی سے اور ہور قار ن یں ان کا سام کی مرتبہ اور ہو چکی ہیں (۱۰) نے فن لغت اور زبان ان کے خاص موضوعات تھے ۔اصغری مرتبہ اور موجکی ہیں (۱۰) نفن لغت اور زبان ان کے خاص مولانہ کتابوں میں " مجم اللغات " ، " مفتاح اللغات " ، " محموعہ ضرب الامثال " اور " القاموس الحبدید " کے نام قابل ِ جدید " ، " مجموعہ ضرب الامثال " اور " القاموس الحبدید " کے نام قابل ِ

عبدالجبار خال صوفی ملکاپوری (۱۸۶۰ء –۱۹۲۷ء): صوفی مدرسه، اعزه

حمید رآباد میں درس و تدریس کی خدمات پر مامور تھے ۔مورخ اور مذکرہ نگار کی حیثیت سے غیر معمولی شہرت رکھتے ہیں اگر چہ کہ ان کی تحریریں رطب ویابس سے خالی نہیں

ہو تیں ۔ عبدالجبار غاں صوفی کے مرتب تذکروں "مذکرہ اولیاء ِ دکن " (دو جلدیں) ،

" تذکرہ شعراء دکن " (دو جلدیں) اور "تذکرہ سلاطین دکن " میں آصف جاہی دور کے

جید رآبلد کی سیاس، سماحی اور ادبی تاریخ محفوظ ہو گئی ہے۔ حیا

مسيم شمس الله قادري (۱۸۸۵ء – ۱۹۵۳ء): بنيادي طور پر ايك مورخ اور ماہر آثار تلیمے مقص ان موضوعات پر انھوں نے اعلیٰ پاید کی کتابیں سپرد قلم کی

ہیں۔ مختلف رسائل میں ان کے متعدد علمی ، ادبی سوانحی اور محقیقی مقالے شائع

ہو حکے ہیں ۔ قادری صاحب کو دکنی زبان وادب اور تحقیق ہے بھی دل حیبی تھی ۔ ان

کی کتاب"ار دوئے تدمیم " د کنی زبان وادب پر پہلی مستند کتاب سیحی جاتی ہے۔

مرزا فرحت الله بیک (۱۸۸۳ء - ۱۹۴۷ء): ﴿ يُ مَذِير احمد سے شاگر و

ر شید تھے ۔وہ بیک وقت طزو مزاح نگار بھی تھے اور سوانح نولیں بھی، محقق و نقاد بھی

تھے اور شاعر بھی سان کے مضامین کے کئی مجموعے شائع ہوئے سوہ علم و ادب کے

شکفتہ ذوق اور مزاح نگاری میں بے مثل تھے ۔ د لی کاآخری مشاعرہ اور نذیر احمد اور

و حید الدین سلیم کی کہانیاں ان کے شاہ کار سمجھے جاتے ہیں (۱۱) ۔ و حبید الدین سلیم (۱۸۶۷ء - ۱۹۲۸ء): معمّانیه یونی ورسیٰ میں اردو کے

یہلے پروفسیر، بلندپایہ اُدیب اور با کمال شاعرتھے ۔ انھوں نے جامعہ عثمانیہ کے طلبہ

میں علم و ادب اور تصنیف و تالیف کا ذوق پیدا کرنے میں نمایاں کر دار ادا کیا ہے ۔ ان کی تالیف " وضع ِ اصطلاحات " اپنے موضوع پر واحد کر اں قدر تصنیف ہے ۔وحید

الدين سليم كے تحقیقی مضامين و مقالات كا ایك مجموعه " افادات ِسليم " كے نام ہے

شائع ہوا ہے۔اس کے علاوہ ان کے دوشعری مجموعے بھی منظرعام پر پر آئے ہیں۔

مولوی عبدالحق (*> ۱۸ م - ۱۹۹۱م): بایائے اردو مولوی عبدالق ابعداً

دار الترجمہ جامعہ، عثمانیہ کے ناظم اور بعد کو وحید الدین سلیم کے انتقال کے بعد

عثمانیہ یونی ورسیٰ میں اردو کے پرونسیر مقرر ہوئے۔ ایک عرصے تک ابخمن ترتی اردو کے معتمد رہے ۔ جب تک وہ حیدرآباد میں رہے ابخمن کا دفتر یہیں کام کر تا رہا۔ ان کی کو ششوں سے متعد دکتا ہیں ابخمن کی جانب سے شائع ہوئیں ۔ تحقیق و تعدوین ، ان کی کو ششوں سے متعد در تصنیفات و تبھرہ و تنقید ، لغت و قواعد اور دکنیات جسے موضوعات پران کی متعد در تصنیفات و تالیفات شائع ہو تھی ہیں ۔ سب رس ، ادبی تبھرے ، اردو کی الیفات شائع ہو تھی ہیں ۔ جند کتابوں کے نام یہ ہیں ۔ سب رس ، ادبی تبھرے ، اردو کی ابیدائی نشوو نما میں صوفیاء کر ام کا کام ، قطب مشتری ، چند ہم عصر مرحوم دہلی کا کے ، نام تی ملک الشحراء بیجابور۔

واكثر زور (١٩٠١ء - ١٩٩٢ء): سيد مي الدين قادري زور في عثانيه يوني ۔ ورسیٰ ہے ایم ۔اے کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم لندن اور فرانس میں حاصل کی اور پھر حید رآباد واپس ہونے کے بعد جامعہ عثمانیہ ہی میں ار دو کے پرد فسیر مقرر ہوئے ۔ ان کاشمار اس جامعہ کے **ان نام ور فرزندان میں ہوتا ہے** جنھوں نے درس و تعدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی کار ہائے نمایاں انجام دیے ہیں ۔ وه به مک وقت بلند پاید محقق، صاحب بصیرت نقاد، ماهر د کنیات و نسانیات محی تھے اور شاعرو افسانہ نگاری بھی سار دو زبان وادب کی بقا اور ترویج و اشاعت کے سلسلے میں انھوں نے متعدد بیش بہانعد مات انجام دی ہیں لیکن ادارہ ادبیات ار وو کا قیام ان کی زندگی کا ایک عظیم الشتان کار نامہ ہے ۔ڈا کٹر زور کی علمی و ادبی فتو حات اور ان کی کامیابی و کامرانی میں ان کی سطی صلاحیتوں کو بڑا دخل ہے ۔ انھوں نے نہ صرف اپنے آپ کو اردو زبان و ادب کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا بلکہ اپنے اطراف ار دو کے بے لوث خدمت گذاروں کا ایک وسیع حلفتہ بھی بنالیا تھا۔ مختلف موضوعات پر انھوں نے چار ور جن کے قریب کتا ہیں اپنی یاد گار چھوڑی ہیں جن میں سے چند کے نام بیہ ہیں کلیات محمد قلی قطب شاہ ،ار دوشہہ پارے ،روح ستقید ،ار دو کے اسالیب بیان ، تذکرہ ار دو مخطوطات (۵ جلدیں) ہندستانی لسانیات ۔

پروفسیر سروری (۱۰۹۱ء-۱۱۹۱): عبدالقادر سروری جامعه، عثمانیه ک فارغ التحصیل تم ابتداُوه ای جامعه میں پروفسیراور صدر شعبه ، ارووکی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے ۔ بعد کو میوریونی ورسٹی اور کشمیریونی ورسٹی میں بہ حیثیت پرد نسیر اور صدر شعبه کار گذار رہے۔ سروری صاحب ادارہ ادبیات اردو کے سرگر م کارکن اور ڈاکٹر زور کے دست راست تھے۔ وہ نہ صرف محقق و نقاد اور افسانہ نگار و انشا پرداز تھے بلکہ ماہر لسانیات اور ماہر دکنیات بھی تھے۔ مذکورہ موضوعات پر ان کی متعدد کتا ہیں شائع ہوئی ہیں۔ "پھول بن "، "اردو مثنوی کا ارتقا"، "جدید اردو شاعری ، " دنیائے افسانہ "، "کر دار اور افسانہ "، "کلیات سراج "، "اردو کی ادبی تاریخ "ان کی جند کتابوں کے نام ہیں۔

مولوی سیر محمد (۱۹۰۱ء - ۱۹۹۱ء): سید محمد صاحب نے جامعہ، عثمانیہ ے ایم سامے کا مقدہ عثمانیہ کے ایم سامے کا امتحان بدرجہ اسیاز کامیاب کیا تھا۔ بعد ازاں وہ اسی یونی ورسٹ کے شعبہ اردو میں بہ حیثیت اساد خدمات انجام دیتے رہے ۔ افھوں نے اپنی پہلی تصنیف "ارباب نثر اردو" ہے ادبی دنیا میں شہرت حاصل کی ۔ ان کی مرتبہ اور مولانہ دیگر ارباب نثر اردو" ہے ادبی دنیا میں شہرت حاصل کی ۔ ان کی مرتبہ اور مولانہ دیگر کا بول عبد الله قطب شاہ"، "گلش گفتار"، " یادگار ولی" اور "گلش عش میں " قابل ذکر ہیں ۔

مولوی تصیر الدین ماشتی (۱۸۹۵ء - ۱۹۹۳ء): باشی صاحب کی ابتدائی تعلیم مدرسد دارالعلوم میں ہوئی بعد کو انھوں نے مدراس یونی ورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان بھی کامیاب کیا تھا۔ و نتر دیوانی و مال اور سررشتہ رجسٹر بیش و اسٹامپ میں خدمات انجام دیں ۔ محقق اور ماہر د کنیات کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں ۔ مختلف علمی و ادبی موضوعات پر تقریباً تین در جن کتا ہیں تصنیف کیں سجند کتا ہوں کے نام درج ذیل ہیں:

" د کن میں ار دو"، " د کن ہندو اور ار دو"، " یورپ میں د کن مخطوطات"،
"مقالات ہاشی "، "خواتین عہد عثمانی "، " مدراس میں ار دو"، " د کن کلچر"، " کتب خانه
مالار جنگ کی تلمی کمآبوں کی وضاحتی فہرست "، " کمآب خانه ، آصفیہ کے ار دو
مخطوطات کی وضاحتی فہرست "(دوجلدیں)۔

مذکورہ بالا مصنفین کے علاوہ عہد عثمانی میں متعدد اہل تلم نے نثری کارنامے انجام دیے ہیں لیکن صفحات کی کی وجہ سے مہاں چند اہم مثاروں کے مرف نام درج کیے جاتے ہیں:

اصغر على بلگرامى ، عظمت الندخاں ، عزیز احمد ، آغا حید رحسن ، حافظ محمد مظهر ، میرولی الدین ، محشر عابدی ، غلام بیز دانی ، عبد الجمید صدیقی ، سعادت علی رضوی ، ہارون خاں شروانی ، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی ، ڈاکٹر حمید اللہ ، ڈاکٹر یوسف حسین خاں ، شیخ چاند ، رشید قریشی ، تمکین کاظمی ، ابراہیم جلیس ، میرحسن ، اشفاق اللہ وغیرہ –

حواشي:

- (۱) د کن میں اردو (بیوروایڈیشن ۱۹۸۵ء) ص ۵۵۰ ـ ۵۵۱ ـ
 - (٢) ارمغان جشن الماس جامعه ، عثمانيه ١٩٤٩ ص ١٠-
 - (٣) الضا-
- (٣) دارالترجمه جامعه، عثمانيه از مجيد بيدار ، به حواله ارمغان حبثن الماس ـ م ٢٢٢ ـ
 - (۵) أدا كرزور داستان ادب حيد رآباد ص ١٥٨-
 - (۲) ایضاص ۱۸۲_
 - (٧) أكثر على احمد جليلي _ فصاحت جنَّك جليل _ ص ٢٣٠ ـ
 - (٨) الفياص ١٣٣-١٣٨
 - (٩) أُو أكثر زور _ داستان إدب حيد رآباد _ ص ١٤٨_
 - (۱۰) الضآص ۱۲۳
 - (۱۱) نصيرالدين باشي د كن مين اردو ص ۲۳۷ ـ ۲۳۷ ـ

تهنيت النساء بتكيم اوران كى نعتنيه شاعرى

محترمہ تہنیت النسا بیگم تہنیت مضہور محقق اور ماہر لسانیات و دکنیات ڈاکٹر سید می الدین قادری زور کی شریک حیات اور ار دو کی ایک با کمال نعت گوشاء و تعمیں ۔ شاءی کا ذوق انھوں نے ور نے میں پایا تا ان کے بچا سر نظامت جنگ بہادر لینے وقت کے ایک نام ور ماہر سیاسیات ہونے کے علاوہ انگریزی کے قاور الکلام شاعر بھی تھے ۔ انھوں نے میر عثمان علی خاں آصف جاہ سابع کی غزلوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔ محترمہ تہنیت کی دو بھو بھیاں خیر النسا بیگم خیر اور زیبنت النسا بیگم ساجدہ اردو میں طبع آزمائی کرتی تھیں ۔ خود ان کے شوہر ڈاکٹر زور محقق و نقاد ہونے کے سابھ سابھ سابھ اردو کے ایک خوش گوشاع بھی تھے۔ جس کی وجہ سے ان کے ادبی ذوق کو مزید تکھرنے سنور نے کاموقع ملا۔ تہنیت صاحبہ نے نعتیہ شاعری کے تین محمومہ ہائے میں مزید تکھرنے سنور نے کاموقع ملا۔ تہنیت صاحبہ نے نعتیہ شاعری کے تین محمومہ ہائے میں سب رس کتاب گھر رفعت مزل حیدرآ باد کی جانب سے علی التر تیب 1904ء اور 1909ء میں شائع ہو چکی ہیں۔

تہنیت النسا بھگم صاحبہ حیدرآباد کے علی و مذہبی اور ذی ثروت گھرانے کی جشم و چراغ تھیں ۔ان کا در ھیالی سلسلہ ، نسب خلیفہ ، اول حضرت ابو بکر صدیق تک بہنچآ ہے ۔ نخیالی سلسلہ ایک طرف حضرت شہاب الدین سہرور دی سے ملآ ہے تو دوسری طرف علما ، فرنگی محلی سے بھی قرابت قریب رکھتا ہے ۔ان کی والدہ ہندستان کے مشہور عالم مولانا عبدالباری فرنگی محل کی ماموں زاد بہن تھیں ۔ب قول پروفسیر آغا حیدر حسن * حضرت مولانا (عبدالباری فرنگی محلی) کے در بار سے گاند می جی کو مہا تماکا خطاب ملا تھا اور پوری دنیا میں باپو مہا تما مشہور ہوگئے ۔مولانا محمد علی نے اس در بار

تہنیت صاحبہ کے والد نواب رفعت یار جنگ ثانی مملکت آصفیہ میں بیدر اور نگ آباد میں صوبے داری کے عہدے پر فائز تھے ۔ان کی والدہ محترمہ اسما بیگم صاحبہ مدینہ منورہ میں تولد ہوئی تحسیں اور نوسال کی عمر میں ، لینے والدین اور بھائی کے ساتھ ہندستان آئیں اور تقریباً ربع صدی تک یہاں قیام پذیر رہنے کے بعد ۱۹۲۷۔ میں اینوں نے داعی اجل کو میں لینے پیدائشی مقام مدینے منورہ بجرت کر گئیں ۔۱۹۵۲۔ میں انھوں نے داعی اجل کو لیسک کہا۔ مدینہ منورہ ہی میں تدفین عمل میں آئی۔

محترمہ تہنیت ۲۵/ می ۱۹۱۰ کو حیدرآباد میں پیداہوئیں۔ ابتدائی تعلیم اپن والدہ محترمہ اسما بیگم سے حاصل کی اور پجربحد ازاں انھیں حیدرآباد کی مشہور درس گاہ مجوبیہ گرلز ہائی اسکول میں شرکیہ کروایا گیا۔ جہاں انھوں نے سینئیر کیمرج تک تعلیم حاصل کی ۔ تہنیت صاحبہ کے تمین بھائی غازی الدین احمد ، ناصرالدین احمد ، سراج الدین احمد اور تمین بہنیں رفعت النسابیگم ، مظمت النسابیگم اور لیاقت النسا بیگم تھیں۔ان کے بڑے بھائی غازی الدین احمد انگریزی کے اور ناصرالدین احمد ماصر اردو کے احجے شاعرتھ (۲) ۔ اور چھوٹے بھائی سراج الدین احمد محکمہ ۔ سیل نیکس میں اسسٹنٹ سکریٹری تھے۔ انھوں نے آخر عمریک اور ہ او بیات اردو کی مجلس انتظامی

تہنیت النسا بیگم صاحبہ ۱۵/ نو مبر ۱۹۳۳ کو مشہور واعظ دکن حافظ سید شاہ محمد قادری زعم کے فرزند ارجمند سید مجی الدین قادری زور سے رشتہ ۔ از دواج میں منسلک ہوئیں ۔ ان کے شوہر کاسلسلہ ۔ نسب حعزت سید شاہ شیخ علی سائگڑے سلطان مشکل آسان (متونی ۱۳۲۹ ھ) تک پہنچ آ ہے ۔ حعزت سائگڑے سلطان ، حعزت سید احمد کبیر رفاعی کے بڑے فرزند اور اپنے وقت کے ایک جید عالم اور صاحب باطن بررگ تھے ۔ تہنیت النسا بیگم کی خوش وامن صاحب محترمہ بیٹیر النسا بیگم حصزت مولانا انوار اللہ شاہ فعنیلت جنگ بانی جامعہ ونظامیہ ، حیدرآباد کی قرابت دار تھیں ۔ نواب فعنیلت جنگ آمن جاہ سادس نواب میر مجبوب علی خاں سے عہد حکومت میں سررشتہ ، امور مذہبی میں وزیراعلیٰ کے منعب پرفائز تھے ۔

تہنیت النسا ملکم کے شوہر نام دار ڈا کٹر سید محی الدین قاوری زور (۴۰۴۰ -

۱۹۷۲ء) کی ادبی شخصیت ان کی غیر معمولی خد مات کی وجہ سے ناریخ ادب ار دوسی ایک در خشاں ستارے کی طرح جگرگاتی رہے گی ۔وہ نہ صرف ایک صاحب ِنظر نقاد ، بلند پالیہ محقق اور ماہر لسانیات تھے بلکہ دکنی ادب کے نام ور مورخ اور با کمال افسانہ نگار بھی تھے ۔انموں نے اپنی بے بناہ محقیقی و تنقیدی اور تدریسی و منظمی صلاحیتوں کے ذریعے کم و بیش چار دہوں تک ار دوزبان وادب کی خدمت انجام دی ۔

ادارہ ادبیات اردوکی تاسیس ڈاکٹر زور کا ایک یادگار کارنامہ ہے۔اس ادارے کا قیام ڈاکٹرزور کے علاوہ پروفسیر عبدالجید صدیقی،مولوی عبدالقادر،مولوی نصیرالدین ہاشمی اور پروفسیر عبدالقادر سروری کے رقمی عطیوں سے ۱۹۳۱۔ میں درج ذیل اغراض و مقاصد کے تحت عمل میں آیا تھا:

- (۱) ار دو زبان اور ادب کی توسیع و اشاعت
- (۲) سرزمین د کن میں ار دو زبان اور ادب کا صحح مذاق پهیدا کرنا۔
- (۳) ملک کے نوجوانوں میں انشاپر دازی اور شاعری کا ذوق پیدا کر نا۔
- (۳) عوام میں اردو کی تعلیم اور مطالعے کا شوق پیدا کر نا اور اس کے لیے نسروری وسائل اختیار کرنا۔
 - ۵) ار دو کوغیرار دو دان اشخاص سے روشتاس کر انا۔
 - (۲) تاریخ د کن کی خدمت اور ملک کے تاریخی ادب و آثار کی حفاظت۔
- (۷) ایک ایسا مکمل کتب خانہ قائم کر ناجس میں ار دو کی بالعموم اور خاص طور پر دکن کی تمام تحریریں اور آثار محفوظ ہوسکیں اور جس کا ایک حصہ خواتین کے لیے وقف رہے(۳)۔

یہ وہ زمانہ تھاجب کہ ادارے کی اپن کوئی عمارت نہیں تھی۔اس کے سارے کاروبار
" تہنیت مزل " کے ایک کمرے ہی میں انجام پاتے تھے۔ جب اس کی سرگر میوں میں
مزید اضافہ ہوااور کتابوں کی ایک کٹیر تعداد جمع ہوگئ تو زور صاحب نے لینے گمر کے
قریب تین چار کمروں اور ایک ہال پر مشتمل ایک عمارت تعمیر کروائی اور ادارے کو
اس میں منتقل کر دیا۔ ۱۹۲۱ء سے انھوں نے ادارے کے لیے زمین اور عمارت کی تعمیر
کے سلسلے میں باقاعدہ جستی شروع کر دی تھی۔حکومت کی جانب سے عمارت ہوائے

سے لیے سالانہ گر انٹ بھی منظور ہوئی تھی لیکن امکی عرصے تک وہ زمین کے حصول میں کامیاب نہیں ہوسکے ۔ حکومت حیدرآباد کی طرف سے منظورہ رقم کے منسوخ ہوجانے کا اندیشہ در پیش تھا۔الیے مازک موقع پر محترمہ تہنیت النسا بیگیم نے لینے مکان سے متصل ۱۰۰ گز پر مشتمل بلاٹ کو ادارے کے لیے تحفیاً رجسٹری کروا کے ا ہے شوہر کے دیر سنیہ خواب کو عملی جامہ پہنانے کی راہیں آسان کر دیں ۔۔۱۹۴۴ء میں خواجه حسن نظامی نے اس عمارت کے لیے " ایوان اردو " کا نام تجویز کیا تھا۔اس عمارت کا نقشہ ہراد دکن فیاض الدین نظامی نے ۱۹۵۵ء میں حیار کیا، ۱۹۵۹ء میں بی رام کشن راؤ پھیف منسٹر آند ھراپر دیش نے "ایوان ار دو " کاسٹگ بنیاد ر کھا۔ ۱۹۲۰۔ میں و وا کٹر زور کے انتقال سے تقریباً دوسال قبل وزیراعظم کشمیر بخشی غلام محمد نے اس کا افتتاح کیا ۔ بہ قول سید رفیع الدین قادری "ایوان اردو کی عمارت کے نقشے ہے لے کر اس کی تعمیر و تزئین اور آرائش و زیبائش تک سب کام محترمه تهنیت النسا بیگیم صاحبہ کے حسب منشا ہوئے ۔" ادارے کی مختلف سرگر میوں اور اس کے مختلف شعبوں ہے ہیگیم زور کی عملی وابستگی پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈا کٹر زور کی صاحب زادی تهذبب يحييٰ فاروقي صاحبه لكھتي ہيں

"پردہ میں رہ کر آپ نے ادارہ ادبیات اردو کی ہر طرح خدمت انجام دی ۔ تمام سرگر میوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں ۔ ادارہ ادبیات اردو کے شعبہ ،خواتین کی سرگرم رکن رہیں ۔ ادارے کی جانب ہے " اردو دانی اور اردو زبان دانی " وغیرہ کے جو امتحانات بلدہ و اضلاع میں معتقد کیے جاتے تھے ،خواتین کے امتحانی مراکز کی نگرانی اپن بہن عظمت النسا بھم بمشیرہ ڈاکٹر فراست شاہد وغیرہ سے مختلف مقابات پر انتظابات کرواتی تھیں "(۲) ۔

ڈا کٹرزور اپنے علی وادبی اور تحقیقی و تنقیدی اور تدریسی و تنظیمی امور میں اس قدر مشغول رہتے تھے کہ دن بجر کی معروفیات کے باوجو دانھیں رات دیرگئے تک پورے انہماک اور مکی سوئی کے ساتھ کام کر ناپڑتا تھا۔ محترمہ تہنیت بھی نہ صرف رات رات بجرجا گتی رہتی تھیں ہلکہ ان کے کام میں ہاتھ بھی بٹاتی تھیں ۔ بہ قول سیر رفیح الدین تا دری " والد صاحب کوئی بھی کام والدہ ہے متثورہ کیے بعیر نہیں کرتے تھے۔ جب بھی کوئی مضمون تحریر کرتے یا کتاب لکھتے تو اس کا مسودہ پہلے والدہ صاحبہ کو د کھاتے اور وہ مسودہ دیکھنے کے بعد انھیں مثور ہے بھی دیا کر تنیں " (۵) –

محترمه تهنیت ایک اطاعت گزار ، فرمان بردار اور شو هرپرست بیوی تھیں – وہ اپنے شوہر کے آرام وآسائش کا پوراخیال رکھتی تھیں ۔محترمہ تہذیب یحییٰ فاروقی کا

بیان ہے کہ:

" با با کا بے حد خیال رکھتی تھیں ۔آرام کا (اسنا) لحاظ کہ جب وہ سور ہے ہوں ہم لوگ شوریہ کریں ۔ان کے کھانے پینے کا پہننے کا ان کے اوقات کی پابندی کا ۔ جب کالج سے شام والیں آتے تو نو کر چاکر ہونے کے باوجود خود اپنے ہاتھ سے چائے کے ساتھ کوئی میٹھی چیز بناکر رکھتیں ۔اس امر کاخاص خیال رکھتی تھیں کہ کوئی بات انھیں نا گوار نه گزرے اور خود وہ کام یا بات نه کر تنیں جو انھیں نالپند ہو "

ڈا کٹرزور کی علمی واد بی فتوحات ِمیں ہلگم زور کا بھی حصہ رہا ہے ۔انھوں نے ڈا کٹرزور کو بچوں کی تعلیم و تربیت اور دیگر گھریلو مسائل سے بڑی حد تک مستغنی کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے ڈاکٹر زور نے ایک مختصرے عرصے میں بہ حیثیت محقق و نقاد اور ماہر لسانیات و د کنیات ، تن تنها جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں وہ کئی الجمنوں اور اداروں کی جانب ہے کئے جانے والے کام پر بھی بھاری ہیں۔تصنیف و تالیف کے کام اور دیگر مصرونیات کے سلسلے میں قامنی عیاذانصاری کے ایک استفسار پر ڈاکٹر زور نے اپنی شریک حیات کا بہ طور خاص تذکر ہ کرتے ہوئے بتایا کہ" دن رات میں لکھنے بر صنے سے سواکسی اور معاملے کو کمبی دخل نہیں رہا اور اس کے لیے میں اپنی ہیو**ی کا** شکر گزار ہوں کہ انھوں نے سارے گھر بلو کارو بارے مجھے آج تک بے نیاز ر کھا۔ نہ صرف یہی بلکہ میرے علمی واد بی کاموں میں بھی انھوں نے میرا دور دور تک ہاتھ ب**ٹایا** ے (٤) -

تہنیت النسا بیگم صاحبہ ایک وفاشعار اور سلیقہ عند بیوی ہؤئے کے سامحہ

ساتھ اکیہ صابر وشاکر خاتون بھی تھیں۔اکیہ دولت مندگھرانے سے تعلق رکھنے کے بادجود وہ بے جااصراف اور غیر ضروری شان وشوکت کی قائل نہیں تھیں۔انعوں نے بادجود وہ بے جااصراف اور غیر ضروری شان وشوکت کی قائل نہیں تھیں۔انعوں نے اپنے شوہر سے کبھی زیورات یا قیمتی ملبوسات کی فرمائش نہیں کی ۔ ڈاکٹر زور نے "تہنیت منزل" کی عمارت زیادہ صرفے کے بغیر کچھ اس انداز سے تعمیر کروائی تھی اور بلگیم زور نے اسے کچھ اس طرح آراستہ کیا تھا کہ دیکھنے میں سے عمارت کائی و سبع و کشادہ ممل کی طرح دکھائی و می تھی ۔ادارہ اور بیات اردو کی عمارت کی تعمیر سے بہلے ادارے کی ساری علمی و اولی سرگر میاں اور مشاعرے "تہنیت منزل" ہی میں منعقد ہوتے تھے ۔ان ساری تقاریب میں بیگم زور کے گھر کا قیمتی فریجر اور برتن استعمال ہوتے تھے ۔ان ساری تقاریب میں بیگم زور کے گھر کا قیمتی فریجر اور برتن استعمال ہوتا تھااور ان ساری تقریبوں کے انتظامات بھی وہ خود کرتی تھیں۔

تہنیت النسا صاحب نے شہرت و مقبولیت اور نام و مخود سے پرے رہ کر القابل فراموش سمای، فلای اور علی وادبی فعد مات انجام دی ہیں۔ ڈاکٹر زورکی وفات کے بعد بھی اوارے کی مختلف سرگر میوں سے ان کی دل چپی برابر جاری رہی اور تاحیات انھوں نے اوارے کو بہ حیثیت سرپرست اعلیٰ لپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ بہاں تک محترمہ تہنیت کی شعر گوئی کا تعلق ہے جسیا کہ اس سے جہلے بھی مذکور ہوا ہے ۔وہ از دوکی ایک خوش گوشاء تھیں اور غزل کی ہئیت میں ان کی نعتیہ شاعری کے تمین مجموع شائع ہو جکے ہیں۔ وہ ایک پابند صوم و صلوات، نیک سیرت شاعری کے تمین خوش محسمی سے انھیں دو بار زیارت حرمین شریفین اور شریف النفس خاتون تھیں ۔خوش محسمی سے انھیں دو بار زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہونے کا موقع ملا ہے ۔ بہلی بار ، ۱۹۵۱ء میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت سے سرفراز ہونے کے بعد ہی انھوں نے باقاعدہ نعت گوئی کا آغاز کیا تھا:

نعت گوئی کے سوا شغل نہیں کوئی پیند تہنیت شوق سے معروف اس کام میں ہے خدا کرے کہ بچر اک بار واں پہن جائیں حہارئے فیفی کا چٹمہ جہاں اہلنا ہے

۱۹۷۹ء میں دوسری بار حج و زیارت مقامات مقدسہ کی سعادت حاصل کرنے سے پہلے انھوں نے ، صباکے ذریعے ، سرکار مدینیہ کو بہ صدادب پیربیام بھیجاتھا: کہنا مبا مدینے کو جاکر بہ صد ادب گل دستہ ایک نحتیہ اب لارہے ہیں ہم

لیکن بہ فضل الهی محبوب خداکی شان میں انموں نے ایک نہیں تدین نعتبہ گل دست آراستہ کرنے کاشرف پالیا تھا۔ زبان وبیان کی سادگی اور بے ساختگی ان کی شاعری کا نمایاں وصف ہے اور بہ قول ایم ۔اسلم "کلام کے ہرلفظ سے حضور سرور عالم صلی الله علیہ وسلم کی محبت اس طرح مترشح ہور ہی ہے جسبے ساون کی مخمور گھٹاؤں سے موتی برستے ہیں "(۸)۔

نعت گوئی کے لواز مات میں حضور اکر م سے والہانہ عشق کو اساسی اہمیت عاصل ہے۔ نعت گوئی کے لواز مات میں حضور اکر م سے والہانہ عشق کو اساسی اتن عاصل ہے۔ نعت گوشاء حب رسول میں ہیں ہوگی۔ تہنیت النسا بہگیم صاحبہ امجد حیدرآبادی کے الفاظ میں حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبی ہوئی ہیں (۹) ساس لیے ان کی نعتوں میں دل کشی اور دل آویزی بھی ہے اور اثر آفرین بھی ۔ "یاد نبی "ان کے لیے نحتوں میں دل حکم بھی ہے اور "لذت بدام" بھی ۔ اس لیے ان کے لیوں پر بار بار "وجہ سکون دل و حکم بھی ہے اور "لذت بدام" بھی ۔ اس لیے ان کے لیوں پر بار بار

سركار دوعالم كانام آجاتا ہے:

یاد نبی ہے وجہ سکون دل و حگر سے لطف عارضی نہیں ہے لذت مدام سے بات یاد رہے تہنیت تعدا کے لیے کھلے جو منہ تو کھلے مدح مصطفیٰ کے لیے ملتا ہے لطف خاص سدا ہر گھڑی ہمیں آتا ہے بار بار لبوں پر جو ان کا نام آپ کی یاد بار بار آئے دل وارفتہ کو قرار آئے یاد بنی، مدح مصطفیٰ اور ذکر سرور کائنات کی مناسبت سے ان کی نعتوں میں مدنیہ مورہ، روضہ مرسول اور گنبد خعزا سے عقیدت و احترام کا اظہار بھی بڑے والہانہ اور موثرانداز میں ملتا ہے ہے داشھار ملاحظہ کھیے:

مدینے ہی میں طے کا سرور کلب و نظر کہ جلتے رہتے ہیں واں رحمت و کرم کے چراخ وہاں مج و سا اللہ کی رحمت برستی ہے مدسنہ نام جس بستی کا ہے ورامسل جنت ہے خدا کرے کہ نظر میں سدا رہے اپن وہ سیز گنبد اقدس کہ جو ہے جان جرم رہے نظروں میں گنبد خفرا ان کا جلوا ہو زندگی کے قریب رہتا ہے شب و روز تصور میں ہمارے وہ گنبد خفرا کہ جو ہے جان مدینے مدینہ مدینے سے دوری کا حساس اور لینے غموں کے مداوا کے لیے حضور سے فریاد، مدینے بار بار جانے کی خواہش ، روضہ درسول پر درود و وسلام پڑھنے اور در نبی پر جان دینے کی تمنا، محترمہ تہنیت کی نعتیہ شاعری کے اہم موضوعات ہیں ۔

سرکار دوعالم سے ہم دور بہت ہیں مغموم ہیں ، دل گیر ہیں ، رنجور بہت ہیں خدا کرے کہ پہنچ جائیں جلد طیب میں ترپ رہے ہیں دل و جاں ای فضا کے لیے مدینے ہی کا تصور ہے تہنیت ہردم نہیں ہے فکر کہ کب اپنا دم نکاتا ہے زندگی چین سے گزرے گی مدینے ہی میں موت اگر آئے تو مرنا بہت آساں ہوگا کاش پوری ہوسکے اس خستہ تن کی آرزو کاش پوری ہوسکے اس خستہ تن کی آرزو جو بہنچوں مدینے تو واپس نے لوٹوں مری جاں ہو یارب نثار مدینے کی آری

اس خواہش ، اسی تمنااور اسی آر زومیں شدت حذبات سے تمبمی کمبمی دل برداشتہ ہو کر وہ اشکبار بھی ہوجاتی ہیں:

یاد ان کی دلاگئے آنو بخت خفتہ جگاگئے آنو ہوں ان کی دلاگئے آنو ہوں ہیں آگئے آنو ہوئیت کی مدینے یاد آیا اپنی آنکھوں میں آگئے آنو فیش معمور فضاں سے لیٹ کر رولیں کی ہواؤں سے لیٹ کر رولیں ابر چھایا ہے ہوائیں ہیں مدینے سے دور جی تڑپتا ہے، گھٹاؤں سے لیٹ کر دولیں یاد جو آرہی ہے خہاری ا

بہتے جاتے ہیں اشکوں کے دھارے دیکھیں گے کہی تہنیت اپنی بھی طرف وہ اشکوں سے جو ہم آنکھوں کو نم کرتے رہیں گے روضہ یاک کی جالیاں ہیں اور ادھر اپنی آنکھیں ہیں پرنم مدینے کی ہوا محترمہ تہنیت کےلیے باعث تسکین ہے ، اس لیے وہ باد صبا کے ساتھ اس ارض مقدس تک بہنے کی تمناکرتی ہیں:

تہنیت باعث تسکیں جو ہوئی

یہ مدینے کی ہوا ہے شاید
صبالے چل اڑاکر ساتھ لینے تہنیت کو بھی
گزر ہونے کو ہو تیرا مدینے کی جو راہوں سے
ہاں بتا دینا ذرا باد صبا مجھ کو بھی
عزم طیب ہے اگر ساتھ ہی تیرے ہولوں

محترمہ تہنیت کی نعتوں میں جگہ جگہ فیضان ِرسول اور حضور ِ اکر م کی تعلیمات کے نقوش منور نظرآتے ہیں ۔انھوں نے یہ نقوش بڑے اخلاص ، محقیدت اور در د مندی کے ساتھ ابھارے ہیں:

یاد ہے اب بھی ساری دنیا کو ان کے فیضانِ عام کی باتیں در فیض سرور انس وجاں، ہے بہاں میں مامن بیکساں جو کوئی نصیب سے بہنچ واں، وہی اپنی بگڑی بنا گئے رحمت اللعالمیں کے فیض سے نور المال جلوہ گر ہونے لگا سدا ان کا فیضان جاری رہے گا گزرتے رہیں گے یوں ہی سب زمانے وہی ہیں عارف کامل وہی بہ فیض کرم بیش دانائے راز کرتے ہیں ان کی تعلیم سے وحثی بھی ہوئے شائت

اس گل سے سہاں سب کو ملا ہے فیفی رنگ و بو کوئی پھول اس طرح کا پھر نہ مہیکے گا گلستاں میں

فیضان نبی کریم اور آپ کی تعلیمات کے پہلوبہ پہلو شہنیت صاحبہ نے سرور دوعالم کی سیرت و مواح اور بی نوع انسان پر آپ کے احسانات ، آپ کی امانت ، صد اقت ، دیانت ، اخوت ، محبت ، بخشش ، عنایت جو دو سخا ، فضل و عطا ، علم و حلم جیسے اعلیٰ

اوصاف اور اخلاق حمیدہ کا تذکر ہ کیا ہے:

عرب اور مجم میں رہے جس کے چرہے تمارت میں تھی وہ دیانت تھاری ری نقش بن کر عدد کے بھی دل میں شرافت ہماری صداقت ہماری اٹھائیں خدمت انساں کی خاطر زخمتیں ایسی 💎 مثال ان کی نہیں ملتی کہیں تاریخ انساں میں

شہہ کونین جس کے پاس چاندی تھی نہ سونا تھا

وہ سردار ووعالم بوریا جس کا مجھچونا تھا

جو ان کے درس مبروشکر کو پیش نظر رکھے ۔ اسے کیا فکر جو اہل جہاں بیداد کرتے ہیں سرسید احمد خان نے جس طرح " مسدس جالی " کواین بخشش کا ذریعہ قرار دیا

تھا بالکل ای طرح عبدالر حمن خال حیثائی محترمہ تہنیت کے پہلے مجموعہ . نعت ﴿ وَكُرُ و فکر " کے متعلق لینے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں " ذکر و لکر " روح کی بالیدگی کا وہ روحانی تحدہ ہے جس کو بنل میں دیائے جنت میں جانے سے کوئی روک

نہیں سکتا " (۴) ۔

حواشي:۔

- آغاحيدر حسن تسليم و رمنيا ص ٨ -(1)
- سيد رفيع الدين قاد ري (شخصي انثرو يو) (r)
- خواجه حمید الدین شابد _ سرگزشت ادارهٔ ادبیات اِر دو ، بید حواله دُ اکثر زور شخصیت ادر (m) كارنام ،مرتبه عطيه رحماني - ص ٨٣ -
- مقل س آغوش محبت وعظيم ڳوار ة تربسيت "مشمول ماه نامد "نعت " لابهور اگتو بر ١٩٧٠. (r)

- م ۸۹۰ -(۵) سیدر فیع الدین قادری (شخصی انٹرویو)
 - متدس آغوش محبت..... ص ٩ (٢)
- یاد کارزور ادارهٔ ادبیات ارود ، حید رآباد ص ۹۲ _ (4)
 - (A) مبرد شکر ص ۹ -
 - (۹) ذکروفکر۔ ص ۷۔
 - (۱۰) مبروشکر ۔ ص ۱۰۵ ۔

نظيرا كبرآبادي شخص اورشاعر

ولی محد نظیر اردو کے ایک برگو اور قادر الکلام شاعر تھے۔ تاریخ ادب اردو میں انھیں بحیثیت نظم لگار ایک منفرد اور نمایال مقام حاصل ہے۔ نظیر دلجی میں ہیدا ہوئے ۔ ان کے والد کا نام محمد فاروق تھا۔ وہ معمولی بڑھے لکھے آدی تھے ۔ نظیر کے دادا عظیم آباد کے کسی نواب کے مصاحب تھے ۔ نظیر کی والدہ نواب سلطان خال قلعہ دارآگرہ کی دخر تھیں۔ محمد فاروق کو بارہ اولادیں ہوئیں لیکن ایک بھی زندہ نے بچی ۔ بڑی منوں مرادوں اور دعاوں کے بعد نظیر پیدا ہوئے ۔ وہ گویا محمد فاروق کی تیرہویں اولاد تھے ۔ بڑے ماں باپ کی کئی اولادیں منائع ہوئی تھیں۔ اس لیے نظر بدے بچائے کے لیے نظیر کی ناک اور کان چھید دیلے منائع ہوئی رکھی گئی اور ان کی شکل بچیوں جسی بنادی گئی (ا)۔

نظری ابتدائی زندگی پریشان حالی اور عسرت میں بسر ہوئی ۔ وہ انجی چار سال بی

کے تھے کہ دلمی جیسے عالم میں انتخاب شہر کو بے دریے مصیدتوں اور تباہیوں کا سامنا
کرنا رہا نظیر بائیس شیس سال کی عمر میں اپنی ماں اور نانی کے ہمراہ دلمی سے آگرہ کوچ

کرنے کے لیے مجبود ہوگئے ۔ نودی دروازے کے قریب مکان لے کر رہنے لگے آخر عمر
کرنے کے لیے مجبود ہوگئے ۔ نودی دروازے کے قریب مکان لے کر رہنے لگے آخر عمر
کرنے کے لیے مجبود ہوگئے ۔ نودی دروازے کے قریب مکان سے کر رہنے لگے آخر عمر

شاعری کے علاوہ نظیر نے اور مجی کئ کتابیں تصنیف کیں۔ نٹر میں ان کی درج ذیل کتابوں کا پت چلتا ہے۔

" انشائے نظیر " ۰ " قدرِ متین " ۰ " فیم قرین " ۰ بزم عیش " ۰ " رعنامے زیبا " ۰

- بازار حسن " ٠٠ طرز تقرير "

شاعری میں ضغیم کلیات کے علاوہ انھوں نے متنوی - حسن و عشق - اور ایک

کاب " خالق باری " کے انداز میں بھی تھی۔ نظیر پیٹے کے انتباد سے معلم تھے اور تمام عمر اسی پیٹے سے وابست رہے ۔ روایتوں کے مطابق وہ شرفات اکبر آباد کے بحول کے آلیق تھے ۔ اگرچ کہ وہ ایک پربگو اور قادرالکلام شاعر تھے ۔ لیک کھی بھی انھوں نے شاعری کو تجارت نہیں بنایا۔ قناعت اور استعنا طبیعت میں داخل تھا۔ اس لیے کسی بادشاہ ، راج یا نواب کی مصاحب قبول نہیں کی ۔ نواب واجد علی شاہ نے ان سے لکھنو آنے کی درخواست کی اور رقم بھی بجوائی لیکن انھوں نے آگرے کو چھوڑنا گوارا نہیں کیا اور رقم والیں کردی (۲)۔ اس طرح بجرت بور کے راجہ اور حدید آباد کے نظام نے بھی انھیں طلب کیا تھا لیکن وہ نہیں گئے (۲)۔

نظیر سیر سیائے کے بڑے رسیاتھے۔ مختلف تہوادوں ، عیدوں ، جاتراوں ، عرسوں، میلوں، مُحیلوں کا لطف اٹھایا کرتے تھے۔ ان کے صحیم کلیات میں ندکورہ موصنوعات کے تحت متعدد نظمیں موجود ہیں۔ سخن سنی اور سخن فہی کا ملکہ انھیں قدرت سے ملا تھا۔ کم عمری سے ہی شاعری کا شوق تھا۔ انھوں نے باقاعدہ کسی استاد کے آگے ذانوں تھا۔ کم عمری سے ہی شاعری کا شوق تعرا ان سے مشورہ سخن کرتے تھے ۔ نظیر کے تلکد تہہ نہیں کیا بلکہ متعدد نو مشق شعرا ان سے مشورہ سخن کرتے تھے ۔ نظیر کے شاگردوں کا طلقہ کانی وسیح تھا۔ ان کے چدا ہم تلاذہ میں قطب الدین باطن ، داجہ بلونت سنگھ ، داجہ بدھ سنگھ صافی ، شیخ مداری ضمیر، صکیم محمد مہدی ظاہر ، شیخ بنی بخش عاشق ، شیخ مداری خاس او بیاں ماہ ، بدار بخش لرکے نام قابل ذکر ہیں۔

نظیر نے شاعری میں ایک منفرد راہ لکالی جو اس دور کی شاعری کی عام روایت سے قطعی مختلف تھی ۔ انھوں نے نود کو اردو شاعری کو نئی وسعتوں سے آشنا کیا اور نئے موضوعات عطا کتیے ۔ نظیر نے خود کو اردو شاعری کے مروجہ دھارے سے جدا رکھا ۔ انھیں مشاعروں میں شرکت کرنے سے کوئی دل جیسی نہیں تھی وہ صحیح معنوں میں ایک عوای شاعرتھے ۔ ہندوستان میں دسنے والے عوام کی ذندگی کا انھوں نے بہت

قریب سے مشاہدہ کیا تھا ۔ اپنے مشاہدات ، احسناسات اور تجربات زندگی کو انھوں نے عوام کی زبان میں نظموں کی صورت میں پیش کیا ہے۔ نظیر کے کلام میں عام ہندوستانی مناظر قدرت ، ہندوستانی معاشرت اور ہندوستانی طور طریقوں کی جھلک نمایاں ہے ۔ ان کے کلیات میں جولی ، دیوالی ، ر مجی تظمیں ملتی ہیں۔ بست اور کرشن جینتی یر مجی ، ان کی بعض نظمیں بظاہر سبت معمولی موصنوعات پر لکھی ہوئی ہیں مثلا "روٹی میسیہ ، بخل ، مفلی ، خوشامد ، وغیرہ لیکن نظیر نے ان نظموں میں سیھے سادے انداز میں بری حکیمانه اور فلسفیانه باتس بیان کی ہیں۔ غزل اور متنوی جیسی مروجہ اصناف سخن ہے ہٹ کر انھوں نے نظم کی مختلف ٹپتیوں کوانیے شعری اظہار کا وسلہ بنایا ہے ۔ انھوں نے اردو نظم کو ایک ایسے دور میں ذریعہ اظہار بنایا جب کہ تمام اصناف سخن پر غرل کی حکمرانی تھی ۔ نظیر نے اگرچہ متعدد غرایس کھی ہیں اور ایک اتھے خزل گو بھی تھے لین حالی اور آزاد ہے بہت پہلے تن تنها انھوں نے اردو نظم کی روایت کا آغاز کیا تھا۔ نظیر کے کلام میں زندگی ڈنگار نگی اور حرارت شاعری کے روپ میں سمائی ہوئی ملتی ہے ۔ اردو شاعری کی مارع میں نظیراینے وجود سے خود ایک دبستان اور ایک عهد تھے جو انھیں ہے شروع ہوکر انھیں پر ختم ہوتا ہے۔

اددو میں باقاعدہ نظم نگاری کا آغاز نظیر اکبر آبادی سے ہوتا ہے۔ نظیر کے بعد محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حال کا شمار ،اددو نظم کے معماروں میں ہوتا ہے۔ جفول نے پہلی مرتبہ انجمن پنجاب کے زیر اہتام الہور میں نئ طرز کے مضاعرے منعقد کئے۔ قدیم طرز کے مضاعروں میں طرحی مصرع دیا جاتا تھا ، جس پر سجی شاعروں کو اسی زمین اور قافیہ و ددیف کی پابندی کرتے ہوئے عزائیں کہی ہوتی تھیں ، اس کے برخلاف انجمن پنجاب کے مشاعروں میں کوئی موضوع تجویز کیا جاتا تھا۔ جس پر تمام شاعروں کو نظمیں نکھی ہوتی تھیں۔ آزاد اور حالی کے بعد اسمعیل میرٹھی ، چکبست ، سرور حمال نظمیں نکھی ہوتی تھیں۔ آزاد اور حال کے بعد اسمعیل میرٹھی ، چکبست ، سرور حمال

آبادی ، علامہ اقبال، جوش ملیح آبادی اور دوسرے خسرا نے اردو نظم کو وسعت بخشی ۔ نظیر کو ان کی زندگی میں فاطر خواہ شہرت حاصل نہیں ہوئی ۔ ان کی موت کے کافی عرصہ بعد جب اردو کے انگریز عالموں نے نظیر کے کلام کا مطالعہ کیا اور انھیں " اردو ، فاعری کا شکیریر " قرار دیا تو اردو کے نقادوں نے نظیر پر توجہ کی ۔ پروفیسر سلیمان اطهر جاوید لکھتے ہیں :

• نظیر اکبر آبادی کا اردو ادب کے مور خین اور ناقدین نے ایک عرصے تک حق ادا نہیں کیا۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ ان کا دور نہیں نظیر کا دور نہیں تھا۔ سے بچھچے تو خود نظیر کا دور بھی نظیر کا دور نہیں تھا۔ وہ تو اپنے وقت سے بہلے پیدا ہو چکے تھے اور اپنے کلام سے ایک ایے دور کی بشارت دی تھی ، جو واقعی عوامی ادب کا دور تھا ، حقیت نگاری ، واقعیت پندی کا دور ایک ایسا دور جس میں ایے موضوعات ، الفاظ اور اسالیب سے شاعری میں کام لیا گیا جن کو غیر شاعرانہ خیال کرتے ہوئے اس وقت کے فن کاروں نے خاطر میں شاعرانہ خیال کرتے ہوئے اس وقت کے فن کاروں نے خاطر میں نایا "(۲)۔

نظیر کا کلام احساسات اور تجربات کا آئینہ ہے وہ ایک وسیح المشرب انسان تھے اور تمام خابب اور فرقول کو عرب و احرام کی نگاہ ہے دیکھتے تھے ۔ ان کی شاعری میں بندو مسلم، سکو عیبائی تمام خابب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے جذبات کی ترجانی ملت ہے ۔ وہ انسانی بھائی چارگ ، آپسی میل جول ، اخوت اور بحبت کے علم بردار تھے ۔ اس لیے اپنے کلام میں رواداری ، بے تعقبی اور مسادات کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں ؛ بھاڑا نہ کرے ملت و خب کا کوئی یاں جمارا نہ کرے ملت و خب کا کوئی یاں جس راہ میں جو آن رہے خوش رہے جر آل

زناد گھے یا کہ کہ بنل بیج ہو قرآل عافق تو قلندد ہے نہ ہندو نہ سلماں کافر نہ کوئی صاحبِ اسلام دہے گا آخر وہی اللہ کا بس اک نام دہے گا

ہندوستانی شذیب کی روح ان کی شاعری میں رچ بس گئ ہے ۔ وہ ہندوستانی مناظر قدرت ، ہندوستانی معاشرت اور ہندوستانی رسوم و رواج کی اپن شاعری میں بے کم و کاست ترجمانی کرتے ہیں ۔ بقول روفسیر مجنوں گور کھیوری .

" نظیر خالص ہندستانی شاعر تھے۔ ہندوستان کی زندگی ، ہندوستان کے رسوم و روایات ، ان کی شاعری کے الذی عناصر ہیں۔ وہ اپنے گرد و پیش کے عام واقعات کے ساتھ بچی موانست رکھتے ہیں اور ان ہی سے اپنی شاعری کے لیے مواد حاصل کرتے ہیں ۔ نظیر اردو کے پہلے شاعر ہیں جن کا کلام پڑھ کر ہندوستان کے حالات کی عام معاشرت اور یساں کے رسم و رواج کے متعلق معلومات حاصل کیے جاسکتے ہیں (ہ)۔

نظیر نے نہ صرف اسلامی عدول اور خدبی رہناوں سے متعلق نظمیں لکھی ہیں بلکہ غیر مسلم خربی شخصیوں اور عدول ، شواروں اور میلوں ، مصلول کو بھی موضوع سخن بنایا ہے ۔ انھیں ایک ہندوستانی ہونے کے ناطے ہندو فلسفہ ، ہندو دلیو مالا اور ہندو معاشرت و رسم و رواج سے غیر معمولی شغف تھا۔ جس موسوع پر بھی انھوں نے اپنے طائر فکر کو پرواز دی گویا سخن کے دریا بہادیتے ۔ کرشن جینتی اور ہولی کی بہار کے زیر عنوان ککھی ہوئی نظموں کا ایک ایک بند ملاحظ کیجیئے ۔

تعریف کروں میں اب کیا کیا اس مرلی دھر بجیا کی نت سوا کنج تجریا اور بن بن گو چریا کی گوپال ، ساری بنواری دکھ مرنا ممر کریا کی گردھاری مندر شیام برن اور بلدھر جو کے بھیا کی یہ لیلا ہے اس تند للن موس جسمت چھیا کی رکھ دھیان سنو ڈھنڈوت کرو جے بولو کش کھیا کی

جب پھاگن رنگ جھکتے ہوں تب دیکھ بہادیں ہول کی اور دف کے خور کھڑکتے ہوں تب دیکھ بہادیں ہول کی پریوں کے دنگ دیکتے ہوں تب دیکھ بہادیں ہول کی خم شیشے جام چھکتے ہوں ، تب دیکھ بہادیں ہول کی محبوب نضے میں جبکتے ہوں تب دیکھ بہادیں ہولی کی محبوب نضے میں جبکتے ہوں تب دیکھ بہادیں ہولی کی

نظیر واقعات اور حقائق کے شاعر ہیں ۔ حقیقت پسندی ان کے کلام کا ایک اہم وصف ہے۔ وہ تخل پرستی اور خیال آرائی کے قائل نہیں۔ وہ اپنے اطراف و اکناف کی زندگی۔ اور حقائق حیات کو سادگی ، برجستگی روانی اور بے تکلفی کے ساتھ بے نقاب کرتے بس - ان کی نظموں کا مطالعہ کرتے وقت ان کی زبان کو نظر اندز نہیں کرنا چاہیے ۔ ان کی زبان آگرے کی بول چال کی زبان سے مشاہبہ ہے۔ اس میں کہیں برج بھاشا اور کھرسی بول کا امتراج مجی نظر آیا ہے۔ بعض نظموں کے مطالعہ سے یہ مجی پت چاتا ہے کہ وہ عربی و فارسی کے علاوہ پنجابی اور اور حی سے بھی واتف تھے ۔ نظیر کی زبان کے مطالعہ سے ان کی شخصیت کی مختلف تہیں بھی سامنے آتی ہیں ۔ اس لیے کہ ان کی ربان اس عهد کے دوسرے اردو شاعروں کی زبان سے مختلف ہے ۔ وہ اینے اشعار میں وی زبان استعمال کرتے ہیں جو اس زمانے میں عملا بولی جاتی تھی ۔ وہ ایسے الفاظ کو بھی این تظمول میں استعمال کرتے تھے جن کا تلفظ کرخت یا بھونڈا معلوم ہو ۔ سی سبب ہے کہ نظیر کے کلیات میں سینکروں الفاظ الیے ملتے ہیں جو نہ کلیات میر میں نظر آت ہیں اور نہ کلیات میر میں نظر آت ہیں اور نہ کلیات سودا میں اور نہ ہی میرحس یا درد کے اضعاد میں ۔ متعدد الفاظ ان کے ہاں الیے بھی نظر آتے ہیں جو اددو کی مروجہ ذکشنریوں میں بھی بار نہیں پاکے۔ واقعہ یہ بال الیے بھی نظر آتے ہیں جو اددو کی مروجہ ذکشنریوں میں بھی بار نہیں پاکے واقعہ یہ کہ ان کی ذبان ان کی شاعری کی طرح عوامی ذبان ہے ۔ ذبیل میں نظیر کی نظموں ہیت جدد اضعاد بطور نمونہ پیش کے جاتے ہیں :

مفلس کی کھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر دیتا ہے این جان وہ اک ایک نان بر ہرآن ٹوٹ ریٹا ہے روٹی کے خوان ریا جس طرح کئے لڑتے ہیں اک استخوان بر ویسا سی مفلوں کو اڑاتی ہے مفلسی دنیا میں بادشہ سے سو سے وہ بھی آدمی اور مظلن وگدا ہے سوسے وہ تھی آدمی زردار و لے نوا ہے سوے وہ مجی آدی نعمت جو کھارہا نے سوسے وہ بھی آدی تکڑے جو مانگنا ہے سو ہے وہ تھی آدمی مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں بنتے ہیں آدی بی الم اور خطبہ خوال رمعت بس آدی بی نماز اور قران یال اور آدمی می ان کی جراتے ہیں جوتیاں جو ان کو تاریا ہے سوے وہ بھی آدمی

شبھ ساعت سے نوں دنیا میں اوآاد گربھ میں آتے ہیں جو نارومن ہیں دھیان بھلے سب اس کا بھید بناتے ہیں

وہ نیک مورت ہے جس دم اس مرضہ میں جنے جاتے ہیں جو ليلا رچني جوتی ہے وہ روب يه دکھلا جاتے بس لوں دیکھنے میں اور کہنے میں وہ روپ تو بالے ہوتے ہیں ر بالے بی بن میں ان کے ایکار زالے ہوتے بس اس ار ش و سما کے عرصے میں یہ جتنا کھیم کھیا ہے یہ ٹھاٹھ کھی نے باندھا ہے یہ رنگ تھی نے رجا ہے حیوان بکھیرو، نر ، ناری ، کیا بوڑھا بالک بچا ہے کیا دانا ، بینا ، ہوش بجرا ، کیا مجلولا ، نادال کیا ہے کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا تیا ہے واقع یہ ہے کہ نظیر ایک عظیم المرتب اور قادر الکلام شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ا کی صاحب بھیرت مفکر مجی تھے ۔ نظیر اور اقبال میں فرق یہ ہے کہ اقبال ایک صاحب بصیرت مظر مجی تھے اور اپنے زمانے کے ایک بلندیایہ عالم بھی ۔ علمی نقط نظر ے نظیر اکبر آبادی ایک اوسط درج کے تعلیم یافتہ آدی تھے لیکن وہ اس حکیماند بسیرت کے حال تھے جو ایک مفکر کا سرمایہ جوتی ہے اور اس حکیمانہ بصیرت نے نظیر کو ایک بلندیایہ شامر کا مرتبہ عطاکیا۔ حواثتی

- (۱) زندگانی بے نظیر۔ پروفسیر شباز۔ ص ۱۳
- (r) سيد احتشام حسين اددو كى كهاني ص ٢٩ -
 - (۳) نظیر اکبر آیادی مص ۱۸ ـ
 - (۳) نظیر شنای می ۱۰ م
- (۵) مجنول گھور کھیوری ۔ مضمون مشمولہ نظیر شتاسی میں ۹۰ ۔

داستانوں میں تہذیبی عناصر

داسانوں کی اہمیت صرف اس وجہ سے نہیں کہ یہ اردو نشر کی قدیم اصناف میں شمار ہوتی ہیں بلکہ لسانی اور تاریخی اہمیت کے پہلو بہ پہلو ادبی نقطہ نظرے بھی میں بزرگی اور عظمت کے آثار ملتے ہیں ۔اس بنا پر ہم داستانوں کو زندہ اوب میں شمار کرتے ہیں ۔ان میں ہماری سماجی ، تہذیبی اور معاشرتی زندگی کی جنتی جا گئی تصویریں محفوظ ہو گئی ہیں ،اس میں شک نہیں کہ بیشتر داستانیں فنی لواز ماور ہبئت ترکیبی کے اعتبار سے ایک ووسرے سے مماثلت رکھتی ہیں لیکن اس کامطلب یہ نہیں کہ ان میں دل اچاٹ کر دینے والی کیپ رنگی اور یکسانیت ہوتی ہے بلکہ زبان و بیان، موضوع و مواد اور مقصد اور معلمح نظرکے فرق نے ان میں تنوع اور رنگار تگی پیدا کر وی ہے ۔ بعض داسانیں قصہ در قصہ کالطف دیتی ہیں ۔ بعض طویل اکبرے قصے کی حیثیت ر کھتی ہے۔ بعض میں تاریخ حقائق کی ترجمانی نظر آتی ہے اور بعض میں مافوق الفطرت عناصر کی کار فرمائی کی وجہ سے تحیر آمیز فضا ملتی ہے اور بعض میں زندگی کی عام سماجی اور تہذیبی روایات کاعکس نظر آتا ہے۔بعض عشق و محبت کے وار دات اور حذ بات کی ترجمان ہیں ، بعض جنگ وجدل کے واقعات کی عکاس بعض زندگی کے کسی خاص پہلو کی نمائند می کرتی ہیں اور بعض اپنے عہدو ماحول کی آئسنید داری کرتی ہیں - بعض طبع زاد ہیں ۔بعض کا تانا ہندستان کے مقبول قصوں سے ماخوذ ہے۔ بعض پر عرب اور ایران کی داستانوں کی تھاپ د کھائی دیتی ہے اور بعض پر نالص ہندستان اور مقامی عناصر کا غلبہ نظر آتا ہے۔ مختصریہ کہ واستانوں کی فضاء میں کیب رنگی نہیں رنگا

اردو کی بیشتر داستانیں سلاطین ، امراء اور رئیبوں کوخوش کرکے ، اُن سے انعام واکر ام حاصل کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہیں ۔او بی نکات اور فنی محاسن کے بیشمول میہ داستانیں اوب اور تاریخ کا ایک ناقابل فراموش باب بن گئی ہیں ۔ان کے

مطالعہ سے اکیب طرف صدیوں پہلے کی زبان کی لسانی خصوصیات اور رجحانات کا بتیہ چلتا ہے اور عہد یہ عہد اردو نثر میں روہنا ہونے والے تغیرو تبدل اور اس کی املائی خصوصیات کے علادہ ارتفات کی منزلوں کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

اردوکے داسانوی ادب کاب نظر غائر مطالعہ کیاجائے تواس میں ہماری تہذیبی اور معاشرتی زندگی کی بولتی ہوئی تصویریں نظر آتی ہیں ۔اس کے مطالعہ سے نہ خرف لوگوں کے عقائد و توہمات، رسوم و رواج، طور طریقے اور طرز زندگی کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں بلکہ ہندسانی ماحول، مناظر قدرت اور یاحوں کی تصویروں کے سابھ سابھ متنامی عشاق اور بہا دروں کے حوالے بھی جا بجانظر آتے ہیں ۔اس میں شک نہیں کہ داستان گوا کڑو بیشتر در بارشاہی کے ملازم اور رئیسوں کے دست نگر ہوتے تھے ۔ ان کا مقصد لینے محسنوں کو خوش کرنا ہوتا تھا ۔ اس لینے زیادہ تر واسانوں میں شاہی وربار سے وابستہ افراد یا اور نج طبقے کے لوگوں کی زندگی اور ان کے مسائل کی ترجمانی ملتی ہے لیکن اس کے پہلوبہ پہلوار دو میں ایسی داستانوں کی بھی کی نہیں جن میں دیہاتی ماحول اور نجلے طبقے کے افراد کی زندگی کے نقوش پائے جاتے کی نہیں جن میں دیہاتی ماحول اور نجلے طبقے کے افراد کی زندگی کے نقوش پائے جاتے ہیں۔

ہردور میں بعض مخصوص حالات کے سناظر میں کسی خاص پہلوپر زیادہ توجہ
دی جاتی ہے ۔داسانوں میں قصہ گوئی کے ساتھ ساتھ ایک طرف اس مجد کے تہذیبی
رجانات اور ایک مخصوص ثقافتی ماحول میں رہنے بسنے والوں کی متحرک تصویریں
سامنے آتی ہیں تو دوسری طرف ان کے رسوم و رواج ، مقائد ، نظریات ، اخلاقی
معیادات ٹوکئے ، فٹکون ، گفتگو کے طور طریق ، حرکات و سکنات اور زمدگی کی بعض
ابدی حقیقتوں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

ہماری داستانوں کی ایک تابل لحاظ تعداد ہندالمانی تہذیب و معاشرت کی عربی کرتی ہے آور معدود ہے جد داستانیں ایسی بھی ہیں جن میں خالص ہندو تہذیب و تعافت کی تصویریں دکھائی دیتی ہیں اس تبیل کی داستانوں میں " مادھونل و کام

کندلا "، " بیتال چیسی "، " سنگھاس بتیسی "، " رانی کینکی کی کہانی " اور " باغ ارم " کے مام نمایاں ہیں ۔اول الذکر عین داستانوں میں قدیم ہند وستان کے ویدک کال دور کی تہذیب کاشعور ملتا ہے۔مثال کے طور پر راجا بکر ماجیت کے عہد میں امن وامان اور فارغ البالي كا دور دوره تما اس وقت مصوري موسقي اور جوتش كي تعليم ير زياده زور دیاجا تا تھا۔جوگ اور تیبیہ کی اتنی اہمیت تھی کہ بعض وقت راجار اج پاٹ مجھوڑ کر جو گی اور سنیاس بن جاتے تھے۔ برہمنوں اور سادھوؤں کی بڑی عزت و تکریم کی جاتی تھی ۔ " رانی کیتکی کی کہانی "اور" باغ ارم" میں جوہندو تہذیب و ثقافت پیش کی گئے ہے وہ اول الذکر داستانوں کی طرح قدیم تہذیب نہیں ہے۔ان میں مذہبی عقائد ، ما فوق فطرت واقعات کو چھوڑ کر باتی تمام باتیں ایسی ہیں جو بعد کے زمانے میں بھی ملی ہیں ۔ داستانوں میں پائے جانے والے تہذیبی عناصر کا اندازہ اس بات سے بخو بی لگایا جاسكتا ہے كه ان ميں داستان نوليوں نے مختلف اشياء كے ناموں كى طويل طويل فہرستیں بھی دے دی ہیں -ان فہرستوں میں اہل معاشرہ مختلف علوم و فنون ، پھول پھل، جانور، بازار، لباس، جواہرات، اشیائے خور دنی، ساز، راگ، آتش بازی وغیرہ سے تفصیلی مرقعے پیش کئے گئے ہیں جو کسی نہ کسی پہلو سے ہماری تہذیبی اور معاشرتی ز مدگی سے علاقہ رکھتے ہیں ۔ ذیل میں مختلف داستانوں سے چند افراد و اشیاء کے عام منویاً پیش کئے جارے ہیں۔

افراد معاشرہ ۔ وزیر، امراے صاحب تدبیر، تکیم حادق، مجم صادق، افراد معاشرہ ۔ وزیر، امراے صاحب تدبیر، تکیم حادق، مجم صادق، ملا سیانے خوب، وربان، رونے میوڑے، بازی دار، چو بدار، چور چکار، جیب کترے میح خیزے، اٹھائی گرے، دغاباز، پتیم اسیر، عیال دار، مختاج، رائڈ، بیوہ، نوکر چاکر، خدمت گار، بیلئے، ڈھلیت، خاص بردار، (باغ و بہار میں ۲۔

ساز: رباب، سرسار، تنبوره، پجتگ سرپحتگ، سارنگی، تال، کھٹ تال، پکھادج، منڈول، ڈولکی، بدہ خنجری "(داستان امیر حمزہ ص۲۱) پحتگ، نالے، ڈھول، طبلے، کھماچ، طنبورہ، قانون، عود، دف، دائرہ چتگ، رباب "(سب رس ص ۲۳)

مردنگ، بین، جل ترنگ، به چنگ، گھنگروکٹ تال (رانی کینگی کی کہانی ص ۳۸)

پنا، خیال ، دهریت ، گیت ، سنگیت ، تک ، جنگل بند ، ترانه ، سرگم ، دستک فارس ، مُحمری ، کھروا(داستان امیر حمزه ص۲۱) بھیروں ، بھیاس ، الیاللت ، رام کلی (فسانه عجائب ص۳۱)

علوم و فنون:

پئیت ، ہندسہ ، بیان ، ادب ، منطق ، معانی ، محنول ، رمل ، نجوم ، مرن ، نحو، حدیث ، تفسیر ، قلسفه (داستان امیر حمزه سرس ۲۱) ریامنی الہیات ، طبیعات ، حبزافیه ، شعر و شاعری ، انشاپر دازی سه (فسانه دل فریب مس ۳۲)

نستعلیق ، نیخ ، خلث ، ریحان ، خنی ، جلی ، شکسته ، شکفته ، **گزار** (داستان امیر حمزه ۲۱۵)

چھول:

"لاله، نافرمان، جعفری، بابونه، گیندا، جوئی، سوسن، چنهیلی، موتیا، موگرا، رائے میل، گلاب، سیوتی، کلفا، گل مهندی، گل خوشبو، داودی، تمپیا، مولسری، ناگر بیل، عباس، نرگس، گل شیوا، بیلا، مدن بان (داستان امیر حمزوص) ر عدے: سیب، ناسپاتی، نمرت، قندی، بادام، چھوہارا، پسته، کشمکش، انگور،

انجبر (امير حمزه -ص ۲۰۳)

ا نار ، بهی ، پسته ، بادام ، اخروث ، انگور (سردش سخن – ص ۱۱۲)

الشمش ، چلغوزے ، انار ، بادام ، سیب ، جامن ، آم ، رنگ ترے ،

انگور ، كيلي ، بيدانه ، امرود ، شريعه ، ميشا ، حكوترا ، فالسه ، چكيا (شكوفه

محبت به ص ۷۶)

یر مدے اور چے مدے:

طوطے ، بلبل ، فاختہ ، مور ، عندلیب (داستان امیر حمزہ –ص >) ، قاز ،

قرقرے ، کبوتر ، ہریل ، مرغابیاں ، طاؤس ، تیتر ، لوے ، بٹیر ، (فسانہ

دل فریب سص ۹۲)

فاخته ، قمری ، بلبل ، مور کبک ، قدرو قاز ، قرقرے (فسانہ عجائب م

باز، شاہین، شکرا، بہری، سیاہ گوش، چینے، تازی، باہڑے، مسدالگن باز ، بحری ، باشے ، عقاب ، ولا تی کتے ، بو دار ، گلڈ انک ، تازی (گل و

صنوبرسص ۵)

بازار:

یبنار بازار ، خاص بازار ، جوہری بازار ، نخاس بازار (سروش عن –

ص ۱۱۲)

جواہرات:

مرداريد ، لعل ، يا توت ، مرجان ، الماس ، ذاك ، بميرا ، كندن ، نسلم ،

زمرد، دُهلک (سروش سخن ص ۱۱۲)

اشائےخوردنی:

مان ترین ، مان ورتی ، مان تعسف ، مأن گزار ؛ فأن زوغنی ، فأن اعلی ،

نان آبی، نان خطائی، نان چپاتی، نان پھلکه، نان باقرخانی، گاؤزیان، پلاؤ بینگی، بلاؤ لاپود، بلاد کو کو، بلاؤموتی، بلاؤ زعفران، بلاؤ متنجن (داستان امیر حمزه ص ۲۰۳)

پوری ، کوری ، مٹھائی ، اچار ، پلاؤ ، تلبه ، زروہ (فسانہ عجائب ، مں ۳۹

کو فتہ ، تکہ ، مرغ ، خاگدنیہ ، ملغوبہ ، شبریگ ، حلیم ، ہرسیا ، سموسے ، ورتی ، حلوہ ، نامودہ ، مرب ، اچار ، دی (باغ و بہار سص ۹۲)

مندرجہ بالا فہرستوں سے یہ نہیں سمجھنا چاہئیے کہ داستانوں میں تہذیبی و ثقافتی عناصر صرف انھیں فہرستوں سے عبارت ہیں ۔ دراصل داستانوں میں تہذیب معاشرت کی عکای کا آکی دھندلاسا خاکہ ہے ۔ ورنہ داستانوی ادب میں سماحی، معاشرتی اور ثقافتی اجراء کی روح ازاول تا آخر جاری و ساری نظر آتی ہے ۔ ار دو داستانوں میں بج کی دلادت سے پہلے سے لیکر موت حک مختلف رسومات اور تقریبات کے تفصیلی مرقع محفوظ ہوگئے ہیں ۔ داستان کو حصرات نے ان رسومات کی پسیکشی میں صفح سے اوکر دئے ہیں ۔ داستان کو حصرات نے والی اولاد کی خوشی میں میں صفح کے صفح سیاہ کر دئے ہیں ۔ ہمارے معاشرے میں آنے والی اولاد کی خوشی میں ستوانے ، اٹھوانے یا نوماسے کی رسمیس ہوتی ہیں ، اس تقریب میں سارے کہنے کے افراد جمع ہوکر حاملہ کو مجمول بہناتے ہیں اور اس کی گود مجرتے ہیں سیحتاں چہ تفسانہ افراد جمع ہوکر حاملہ کو مجمول بہناتے ہیں اور اس کی گود مجرتے ہیں سیحتاں چہ تفسانہ دل فریب " میں گیتی آراء کے دور ان حمل نو ماسے کی رسم منائی گئ تھی جس کی ایک

" محل میں سب دعائیں مانگ رہی ہیں ۔آسمانی و نسخ حمل کے گنڈ سے تعوید جاتے ہیں ۔جو لوگ اس دن کے امید وار تعے وہ ا تعوید جابجا ہے آتے جاتے ہیں ۔جو لوگ اس دن کے امید وار تعے وہ اپنی رسوخیت جاتے ہیں ۔ کہیں ہے مجھو تکا ہوا پانی آنا ہے ۔ کوئی پڑھا ہوا گل لا تا ہے ۔ گیتی آراء کی ماں ہر طرف بے حواس مجرتی ہے " (مس مدا) یچ کی پیدائش کے بعد تو گویا مختف تقریبات اور رسو مات کاسلسلہ جاری ہوجاتا ہے ۔ سرشار کی "الف لیلی " سے ایک اقتباس ویکھئے ۔

> " خداخدا کر کے اس سو داگر کے گھر ایک فرزند ول بند پیدا ہوا، جس کے حسن وجمال پرا کیک عالم شیر اہوا سہید اہوتے ہی دایا نے محمد اور علی کانام سنایا اور شرآفات ہے بچایا اور کان میں تکبیر وا ذان سنائی اور ماں کے پاس لائی ۔(ص ۵۳۵)

"باغ و بہار " میں شہزادہ بختیار کے تولد ہونے پر بادشاہ آزاد بخت کی داد ودہش مغل فرماں رواں کی یاد تازہ کردیتی ہے۔" شکوفہ محبت " میں آذر شاہ کو جب خدا نے اولاد کی دولت سے مالا مال کیا تو اس کی خیر خیرات، بخشش و انعام کاحال بڑھنے سے ہندستانی بادشاہوں کی داد و دہش کا نقشہ آنکھوں کے سلمنے بچر جاتا ہے۔ یکچ کی ولادت پر زائچہ بنوانے کی رسم ہندالمانی تہذیب کی علاست ہے جو کم و بیش ہر داستان میں نظرآتی ہے۔ یکچ کی ہیدائش پراس کی قسمت کاحال معلوم کرنے کے لئے داشتی میں نظرآتی ہے۔ یکچ کی ہیدائش پر اس کی قسمت کاحال معلوم کرنے کے لئے دائچہ بنوایا جاتا تھا۔ اور تومولود کی آنے والی زندگی کے بارے میں نجومیوں سے معلومات حاصل کی جاتی تھیں ۔ باغ وبہار میں شہزادہ نیم روز کی پیدائش پر مجموں کا بیان " فسانہ عجاس کی جان عالم کی ولادت پر ماہر علم نجوم کی پیشن گو تیاں اور فیروز بیان " فسانہ عجاس اور محتجوں میں خیرات اور بخشش کے تقسیم کرنے کاحال تابل بخت کے غریبوں اور محتجوں میں خیرات اور بخشش کے تقسیم کرنے کاحال تابل معالم حیاسہ ہے۔

بچہ کی پیدائش کے بعد تھلہ، چھٹی، ختنہ اور بہم اللہ کی رسم بڑی وہوم وحام سے منائی جاتی تھی۔ شکو فہ محبت میں فرز مد آذر شاہ سے متعلق مختلف رسومات اور تقریبات کا بیان سرور کی زبانی ملاحظہ کھے۔

چالیس دن تک به کیفیت رمی سیمینی حلی کی رسم ہو گئی سوہ گوہر گراں مایہ آخوش دایہ میں پرورش پاتا تھا سہر روز نمنو کی بہار د کھاتا تھا۔ موافق محمول ، دودھ پڑھا ، کھیر ، پیٹائی ، کھانے پینے گی ٹوبت آئی ہو دن گزراوہ مہدنیہ تھا۔ ہر ماہ سال ہوا۔ نو، دس برس میں بدر کاکامل وہ بلال ہوا۔ ہم اللہ ہوئی معلم ادیب خوش نویس پڑھانے لکھانے گئے۔ سن ہمیز میں گھوڑے پر چڑھا۔ حیر اندازی، لکڑ چیسٹی، بر چما جلانا سکھانے گئے ۔

سرشارنے "الف لیلہ "میں ختنہ کی دسم کاحال اس طرح بیان کیاہے۔ تقریب ختنہ کے دن بڑی دھوم دھام اور سامان تزک و احتشام سے وعوت دی گئ (الف لیلہ سص ۵۳۵)

پیدائش کے بعد رسوم و تقاریب کے سلسلہ میں دوسرااہم موقع شاوی کاہو تا ہے۔ سلسلہ میں دوسرااہم موقع شاوی کاہو تا ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پرہمارے داستان نگاروں نے مہندی ، سانچق ، ماجھے وغیرہ کی رسموں کے نقشے صفحہ قرطاس پر اتار دئے ہیں اور اپنی انشا اور معلومات کا مجرپور مظاہرہ کیاہے۔ مظاہرہ کیاہے۔ مجتد منونے ملاحظہ کھئے۔

سالیوں نے دولہا کے ہاتھوں میں مہندی لگائی، اس نے شرما کے گردن جھکالی، اب اس سے فراغت پالی، نیگ مانگئے کی نویت آئی، جہلے تو سالیاں لڑیں جھگڑائیں، بکھیڑا کیاآخر خدا دوست نے دولہا کی طرف سے سب کومزاخور حال نیک دیا" (فسانہ دل فریب) پیمٹران کی کشتیوں میں زعفرانی جوڑے، سنہرے خوانوں میں پیٹریاں مقوی مفرح ذائقہ میکنا، خوان تک بسا اور دووھ پینے کے واسطے اشرفیوں کے گیا توڑے، طلائی چوکی پر جواہر جڑا، زمر دنگار، کورا بٹنا طنے کا، کنگنا باز عقد شرپا، دریکتا، بڑا بڑا الکا، لنگی متان کی مقمی، بینا اور سیل بے میل جو عطر کشمیر پر خندہ زن ہو معطر دماغ اجمن ہو، کشروں میں عطر سہاگ عطر کشمیر پر خندہ زن ہو معطر دماغ اجمن ہو، کشروں میں عطر سہاگ علم کشمیر پر خندہ زن ہو معطر دماغ اجمن ہو، کشروں میں عطر سہاگ جار سو، زعفران کا تختہ کملا، کو سوں تک خوان سے خوان ملا، نو بت

نشان گوڑوں پر ، شہنا نواز ، نقاری جوان جوان ، سکھپال اور چنڈولوں میں زنانی سواریاں ان کے بناؤ کی تیاریاں کہا ریاں پری چھم برق در خشاں کا عالم " (فسانہ عجائب سص ۱۹۹۹) دولہا کو محل میں بلوایا - قمر النساء نے آنچل ڈالا - لوگوں نے اور بہت سے ٹو مُکے کئے سمسند پر بٹھایا - دولہن کو گود میں لائے - دولہا کے برابر بٹھایا - ریت رسم ہونے گی سپہلے کے برابر بٹھایا - دولہن کا پائجامہ لائی اور کہنے گی لو میاں! اس میں ایک خواص آئی - دولہن کا پائجامہ لائی اور کہنے گی لو میاں! اس میں ایک ہاتھ سے ازار بند ڈالو - ادھرادھ رنہ دیکھو بھالو" (سروش سنی)

ولادت اور شادی کی طرح ہماری داستانوں میں موت سے وابستہ بھی چندر سوم نظرآتی ہیں۔ مرنے کے تعیرے دن کی رسم بیشتر داستانوں میں ہوتی ہے سپالیس دن تک مرفے والے کاسوگ منایا جاتا ہے سباغ و بہار میں جب بمن کے سوداگر کے والد کا انتقال ہوا تو اس نے چالیس دن تک لینے باپ کاسوگ منایا پہلم میں لینے بیگائے چوٹے بڑے جمع ہوئے ۔ جب فاتحہ سے فراغت ہوئی سب نے فقیر کو باپ کی پگڑی ہند معوائی سر باغ و بہار میں ۱۱)

اس طرح فسانہ دل فریب میں بادشاہ ایران کی موت پر اس کے پیٹے کے
سوگ کاحال دیکھتے۔ چالیس دن بدرسیاہ پوش رہا۔ باپ کے رنج وغم میں ہے ہوش
رہا۔ بعد ادائے رسوم جہلم عزیز و اقارب کے سخصانے بخمانے لوگوں کے کہنے سننے سے
مخت سلطنت پر بیٹھا۔۔۔ پھر ملک صالح لینے بہنوئی کے مرنے کی خبرسن کر ما تم پری
کے واسطے وطن سے تشریف لایا۔ بعد ادائے مراسم باتحہ خوانی اپنی بہن کو امر بصیر
کرکے بدر کو تجاتی سے لگایا " (فسانہ دل فریب۔ ص۔ ۵۹)

مختصریہ کہ ولادت، شادی بیاہ، موت، سوم اور بہلم کی یہ جمام رسومات جو ہماری واسمانوں میں بیان ہوئی ہیں اور ہندوسمانی معاشرت کی ترجمانی کرتی ہیں لیکن واسمانوں میں صرف انھیں تین مواقع لیعیٰ ولادت پیدائش اور موت سے متعلق رسموں کااظہار ہی نہیں بلکہ ان مخصوص موقعوں کے علاوہ بھی ہمیں ہماری روزانہ زیدگی کے متنوع اور رنگارنگ نقوش نظرآتے ہیں۔ان میں ہمارے باغ بینچ ، میلے مصلے ، تیج تیوہار ، بازارہائ جلسے جلوس ، کھانوں کپڑوں ، بر تنوں ، زیوروں ، سواریوں علوم و فنون ، منتوں مرادوں اور عقیدوں کی مجربور اور رنگ برنگی تصویر میں سیجی ہوئی ہیں۔

داسانوں نے ہم تک ہمارے تمدن اور تہذیب کی میراث بہنچانے کی گراں بہا خدمت انجام دی ہے ۔ انھیں کے ذریعہ ہم نے لینے بزرگوں کے فکر وخیال تک رسائی حاصل کی ہے ۔ ان کی بودو باش کے طریقے ، مشاغل و معمولات ، عقائد و توہمات ، رسم و رواج میلانات و رجانات اور انطاق و آدلب غرض داسانوں میں تد یم معاشرت کی بجربور اور مکمل عکاس ملتی ہے ۔ اگر ہمیں ہندوستان کی قلد یم تہذیب و معاشرت کے بارے میں جانناہوتو داسانوں سے بہترکوئی اور صف اوب ہماری رہمنائی نہیں کرسکتی۔

0 0 0

رام بور کی داستانیں

ار دو نثر کے ارتقاء میں داستانی ادب کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے ۔ اس صنف ادب میں ،ار دو نثر کے تدریکی ارتقاء اور عہد یہ عہد رو نما ہونے والی تیدیلیوں اور تغیرات کی مفصل تاریخ محنوظ ہو گئ ہے ۔شمالی ہند میں داستان نگاری کے تین مراکز کلکتہ ، لکھنو اور رام پور کو بنیادی اہمیت حاصل ہے ۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ مذ کورہ مقامات کے علاوہ کہیں اور واستانیں نہیں لکھی گئیں ۔ داستانیں ولی ، آگر ہ اور دیگر مقامات میں بھی سیرد للم کی گئیں ، جس کی وجہ سے داستانوں کے ذخیرے میں اچھاخاصااضافہ ہوالیکن پہ کو ششیں انفرادی ہیں اجتماعی نہیں ۔ داستان نکاری کے اولین تمونے دکن میں ملتے ہیں لیکن صحح معنوں میں اس صنف اوب كا باقاعده آغاز فورث وليم كالح ككته سے موتا ہے ۔ ايست انڈيا كمنى نے ، جزائر برطانیہ سے ملازمت کی غرض سے ہندوستان آنے والے انگیزوں کو اردو کی مدریس کے سلسلہ سے ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں ایک کالج قائم کیا،جو آگے حیل کر فورٹ ولیم کالج کے نام سے مشہور ہوا ۔اس زمانے میں انگریزوں اور دوسرے یورنی باشندوں کو ار دو زبان سکھانے کے نقطہ نظرہے ار دو میں کوئی موزوں کتاب نہیں تھی ۔اس خصوص میں کالج کے اربااب مجاز نے آسان اور عام فہم ار دو میں قصے اور داستانیں لکھوانے کی باضابطہ تحریک حلائی ،چوں کہ ار دو میں طبع زاد داستانیں مفقو د تھیں اور از سر نو طبع زاد واستانس لکھوانے کے بجائے ترجمہ کر وانے کا کام آسان تھا۔ اس لیے فارسی اور سنسکرت کی داستانوں کو ار دو میں ترجمہ کر وانے کے لیے منتخب کیا گیا ۔اس کالج کے زیر اثر جو واستانیں سپرد قلم کی گئیں ان میں بول جال کی عام فہم زبان کے استعال پرسب سے زیادہ توجہ دی گئی ۔ فورٹ ولیم کالج کے تیام کے دوران ، کالج ہی میں کثیر تعداد میں داستانیں لکھوائی گئیں ۔کالج کے باہر لکھی جانے والی داسانوں کی تعداد صرف پانچ ہے ۔اس کا سبب ہی ہے کہ کالح کے ہاہر کے

معسنتین کی بیثت پریه کوئی پرزور تحریک تھی اور نه انھیں کسی کی سرپرستی حاصل تھی

فورٹ ولیم کالج میں جو داستا نیں لکھی گئیں ، ان میں باغ و بہار کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اور کالج کے باہر کی داستانوں میں انشا کی '' رانی کیتجی کی کہانی ''کو زیادہ مقبولیت حاصل ہو گیا۔

رورہ بریسی کا بہوں۔
مورٹ ولیم کالی کے خاتے کے بعد داستان نگاری کا مرکز کلکتے ہے کھنو شقل ہوگیا۔ کھنو میں تصنیف کی گئی داستانوں میں رجب علی ہیگ سرورکی'' فسانہ ء عجاب'' ایک اہم اور نما ئندہ داستان ہے جو میرامن کی''باغ و بہار'' کے جواب میں کھی گئی۔ میرامن دلی کے رہنے والے تھے انہوں نے باغ و بہار میں دلی کی عکسالی زبان اور اپنے میرامن دلی کے رہنے والے تھے انہوں نے باغ و بہار میں دلی کی عکسالی زبان اور اپنے دہلوی ہونے پر فخر کیا تھا، جے اہل کھنونے اپنی زبان دانی پر حملہ تصور کیا اور اس کے جواب میں رجب علی ہیگ سرور نے '' فسانہ عجاب'' لکھ ڈالی۔ اس طرح کھنو میں دواستان نگاری کار جمان فروغ پانے لگا۔ کہ ۱۸۵ء میں جب کھنو میں نول کشور پر اس کا قیام عمل میں آیا تو داستان نگاری کی تحریک کو مزید تقویت کہنی ۔ نول کشور پر اس کو قان ہیں ہوئے انگاری کی خدمات حاصل تقویت کہنوں کی خدمات حاصل تھیں جنہوں نے داستان امیر حزہ کے کو تصنیف کا درجہ عطاکر دیا۔

کلھنو کے اجڑنے کے بعد بہال کے اہل کمال ایک ایک کر کے دربار رام پور منتقل ہونے گئے۔ جس طرح دہلی کے اجڑنے کے بعد وہاں کے شاعروں اور ادیبوں نے دربار لکھنو میں اپنی پناہ ڈھونڈلی تھی ، اسی طرح سلطنت لکھنو کے زوال کے بعد اہل علم و ففل جوق درجوق مصطفیٰ آباد عرف رام پورکی طرف کھنچے چلے آئے۔ بقول ڈاکٹر محمہ ضیاء الدین انصاری:

"اردوشاعری کے دواہم دہمتانوں کے اجڑنے کے بعد رام پور ہی الی ریاست متی ہمال دونوں دہمتانوں کے شعر ایجا ہوئے۔ یمال سے اردوشاعری کا ایک نیا دہمتان وجود میں آتا ہے جمے ہم رام پور کے دہمتان سے جانتے ہیں۔۔۔۔رام پور نے نہ صرف شعرو نخن میں نمایال حصہ لیابلحہ دوسرے علوم ہا کھوص مذہب، تصوف، فنون لطیفہ اور ادب کے دیگر اصاف کے ارتقاء میں تھی تا قابل فر اموش خدمات انجام دی ہیں۔" [رضالا تبریری جرئل شارہ ۲۔۹۹ مواء ص ۲۲۲]

در بار رام پورے وابستہ ہونے والے اہل علم وہمزمیں وہلی اور لکھنو کی کوئی تخصیں نہیں تھی سریاست رام پور ہمیشہ ہی سے شعرد سخن اور علم و ادب کا گہوارہ ری ہے اور ایک زمانے میں یہ خطر بخار ائے ہند کے نام سے مشہور تھا مہاں کے حكمرانوں نے مختلف مقامات ہے آنے والے شعراا دیبوں اور فن كاروں كى ول كھول کر سربرستی کی اور دیکھتے ویکھتے ہی رام پوراہل علم وہمز کا مرکز بن گیا۔اس دور کے قد آورِ شعراحِن میں مرزاغالب، داغ دہلوی، ظہیر دہلوی، امیر پینائی، منیرو شکوو آبادی، جلال لکھنوی ، اسیر لکھنوی بھی شامل ہیں ۔سب کے سب رام پور علیے آئے اور گویاوہ تمام شعری اور ادبی سرگر میاں دربار رام پور کے حصے میں آئیں جن کے لیے دبستان د الى اور دبستان لكھنوشېرت ركھتے تھے ۔ كھ ايسى بى مورت حال داستان أكاروں كى تھی وہ داستان گوجو کمجی دہل اور لکھنو میں اپنے اپنے فن کا کمال دیکھایا کرتے تھے اب والیان ریاست رام پورکی قدر دانی کاشہرہ س کر رام پور کھنچے حلے آئے ۔ جہاں انھیں الیها سازگار ماحول مبیر آیا کہ وہ و نیااور مافیہا ہے بے خبر ہمو کر داستان نگاری کی طرف پورے اہنماک سے متوجہ ہوگئے اور این نگارشات کے ذریعے اردو داستانوں کے ذخیرے میں قابل قدر اور قابل لحاظ اضافہ <mark>کیا۔</mark>

دربار رام پور کی جمام داستانیں بجز محدودے چند منوز غیر مطبوعہ اور مخطوطات کی شکل میں ہیں ۔ داستانوں کا یہ ذخیرہ آج بھی کتب خانہ عالیہ رام پور کی نہنت ہے۔ پرونسیر گیان چند جین لکھتے ہیں:

"رام پور کے کتب خانے میں ایک جیب و غریب چیز داسانیں ہیں ۔
وہاں کے در باری داستان گویوں نے طلعم ہوش ر بااور داستان امیر
حزہ کے انداز میں داستانیں تصنیف کیں اور ان ہی کے قلم کی لکھی
ہوئی ہیں ۔ میرا خیال ہے کہ ایک سو پانچ جلدیں موجود ہیں ۔
انسیویں صدی میں لکھی گئیں ۔ایک ایک کافی ہے اس کی اور نقل
نہیں اور ہرجلد ہزار ہوا ہزار صفح کی ہوگی ۔بہت بڑے سائز کی ۔
جہاں تک ان کی زبانوں اور اسلوب کا تعلق ہے تو میری دائے میں

وہ ایسا ہی ہے جسیا کہ فسانہ عجائب یا مطبوعہ طلسم ہوش ر باکا ہے معلوم نہیں ان میں کیا کیا گوہر بند ہوں گے ۔ کوئی ان کی سیر کرے تو معلوم ہو ۔ میں نے ان کو الٹ پلٹ کے دیکھا ہے ۔ اتنی زیادہ تعداد میں ہیں کہ کوئی توقع نہیں کہ وہ کبھی شائع ہو سکیں گی ۔ اور یہی بدقسمتی ہے کہ ہم ایسی زبان کے امین ہیں کہ جس میں انتے ذخیرے ہیں اور جس کا خرانہ استا بیش بہا ہے لیکن ہمارے وسائل انتے محدود ہیں کہ ہم ان کو محنوظ بھی نہیں کر سکتے ۔ " [ڈا کر حسن عباس ۔ وضالا نبریری کی علمی میراث ۔ ص ۱۰۰]

رام پور میں داستان نگاری کا آغاز ۱۸۲۵ء کے لگ بھگ ہو تا ہے اور تقریبا ایک سوسال، لینی ۱۹۲۵ء میں اختیام کو جہمچتا ہے۔ نواب ملب علی خاں کا دور (۱۸۹۵–۱۸۸۷ء) داستان نگاری کا عہد زرین کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس زمانے میں داستانوں کی ایک بڑی تعداد معرض وجود میں آئی۔ ذیل میں رام پور کے چند اہم داستان نگاروں کی خدمات پرروشیٰ ڈالی جاتی ہے۔

لالہ انبا پر شاور سا: رسا کے والد کانام لال پہند پر شادتھا، توم کے کا کستھ تھے۔ وہ ابتدائی نواب مرزا تحد تھی خاں ابتدائی نواب مرزا تحد تھی خاں ہوس کے مصاحب تھے، بعد کو نواب محمد سعید خاں کے عہد میں رام پور پہنچ کر دربار شاہی کے داستان گویوں میں شمار ہونے لگے۔ میر احمد علی داستان گو سے شرف تلمذ حاصل رہا۔ لالہ انبا پر شاد نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کا اسلامی نام عبدالر حمان ہے ۔ اسمیل بخاری ۔ ار دو داستان ۔ ص ارسال کی عمر میں معبدالر حمان ہے ۔ اسمیل بخاری ۔ اردو داستان ۔ ص اللہ نے تقریباً ۹۹سال کی عمر میں دامہ کی بیس حکامتوں کا "حکایات سخن سنج " کے عنوان سے انبا اپر شاد رسانے دلو می نامہ کی بیس حکامتوں کا "حکایات سخن سنج " کے عنوان سے ترجمہ کیا تھا۔ ان کی دیگر تصانیف کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

کوحکِ باختر (جلداول ۱۸۵۳ء) جلد دوم ۱۸۵۳ء) ۱۲۱ اوراق ۱۲۳۵ دراق

داستان آمير حمزه عااوراق

						٠	
٤٢ اور اق	9				_	چهاد د نگ	
•					سوار کلندر	داستان فرخ شاه	
ا ۱۰ اور اق	J				٠ ق. ٢٠	دستان سلطا.	
"٢4							
					باعبان	داستان ماهيد	
					یخزن	داستان ہاشم ج	
اوراق	۳۲۸	على خاں	نواب کلب	بعهد	جلدادل	جمه نوشيروان مامه	,7
			جلداول				
	۲۲۳		19 10		ووم	ии	
	MAG		IT H		سوم	н и	
بعمر ٩٠ سال	MAM		11 H		بهارم	ų w	
	۵۲۳		11 16		بېخ ششم	ин	
	۳۲۵	1	H M		مشتم	нм	
(151:	. ر لکھ	، مقال -	ہے لیکن بعض	رساده.	ن صاف او.	ناد رسا کا اسلوب بیا،	بايرة

امبا پرشاد رسا کااسلوب بیان صاف اور سادہ ہے لیکن بعض مقامات پر انکھنو اسکول کی واستانوں کی طرح عیارت میں تعقید اور رنگینی نمایاں ہے۔ رسا کے اسلوب تحریر کا منونہ ورج ذیل ہے

" بادشاہ نے کہااے عمر اگر تو اس محبت میں نہ جائے اور میرے حکم کی تعلیم کرنے پر راضی ہو تو اس وقت جو تو مجھ سے طلب کرے میں جھے کو دوں سے عمر نے جو یہ بات حسب دل خواہ اپنی زبان سے بادشاہ کے کن نہایت خوش ہو کر کہا۔اے بادشاہ عالم باغ واد میں حصرت اقد س و اعلیٰ کتنے ونوں تک رونق روز رہیں گے۔" [ڈا کمڑ گیان چند

ار دو کی نثری داستانیں ۔ من ۱۹۰۹-۱۷] منتشی غلام رضا: ۔ غلام رضانام، مجموٹے مرزاعرفیت اور رضا تخلص ۔ مشہور داستان گولالہ انباپر شاد کے فرزند تھے ۔ اپنے والد کی طرح وہ بھی در ہار رام پور میں

ب کثیرہ تھے	ب تصاني	، پائی سمنشی غلام رضاصاحہ	اء میں و فات	ملازم تھے۔رضانے ۸۸۸
	-	ار دو داستان سرض ۱۳۹۳]		
اوراق	۳•۸	بعهد نواب كلب على خان	جلداول	طلسم باطن ہوش ربا
н	6.4 V	MACY	جلد دوم	M H
11 11	202	-1444	جلدسوم	нн
H H	۵۲۳	ян	جلد جهارم	n n
нм	٣٨٣	MACA	جلدبتم	ын
91 H	٣٨٨	~	جلد تشثم	41 N
н Эт	٣٨٠	-	جلابمفتم	11.4
нн	۵٤۵	PIACA	جلد ہشتم	нн
11 #	740	-	جلدنهم	ин
11 H	۵۸۳	-IAA+	جلدوہم	M R
##	141	-	_	كلسم باطن بلاخيز
ни	۴۳۹	-1440	_	طلسم باطن آفات
ни	44	-	-	سلسم ضحا کیپ
	٢٣٩			طلسم ماور فرنگ
н и ,	r**	_	_	طلسم باطن نيزنجات
нн	744	PAAL	-	طلسم نهعان
н я	44	_		ترجمه لعل نامه جلداول
**	497	-	_	ترجمه لعل مامه جلد ووم
بقت رکھتا	ے مطا	به دبستان لکھنو کی واستانوں	نداز واسلوب	منشي غلام رضاكاا

ہے ان کی زبان دبیان میں بلاکی صفائی اور روانی نظر آتی ہے۔ غلام رضا کی انشالیت

والدانبا پرشاد رساکے مقابلے میں کانی ترتی یافتہ ہے تموید ملاحظہ ہو۔

"اے سہمان شاہ شاہزادہ نور الدہرعالی شان نے تمام طلم طائران کو زہر و زبوں کرے ہیری بیٹی کو مضمار حبی کے ہاتھ سے رہا کر کے عہاں بھیجا ہے آگر جھے کو اطاعت شہزادہ نامور کی کنیزگی میں دینا مظور ہے تو جلد حاضرہوک اپنی بیٹی کولے کے شہر میں داخل ہواور منظر آمد شہرادہ نامور کا ندرہ اور اگر نہیں منظور ہے تو آمادہ مرگ رہ کہ اب چند روز میں شاہزادہ نامور بھی آیا چاہتا ہے ۔ "

[سیل بخاری ۔ اردود داستان ۔ ص ۱۳۹۲]

حمیدر مرزا: میر نواب داستان گو کے پیٹے تھے، تصوران کا تخلص تھا۔ سید اصفر علی داستان گو سے تلمد حاصل تھا۔ ریاست رام پور میں میں داستان گو کے عہدے پر فائز تھے۔ انہوں نے "گلستان مقال "اور "زرین نامہ " عرف "خورشید نامہ " کے نام سے دو داستانیں اپنی یادگار مجموزی ہیں ۔ اول الذکر داستان جملہ پعدرہ جلدوں پر مشتل ہے اور یہ تنام جلدیں ہفوز غیر مطبوعہ ہیں ۔ حیدر مرزا کی یہ دو نوں داستانیں کتب خانہ عالیہ رام پور کی نہنت ہیں اور ۱۳ × ۱/۷ م " کی تقطیع کے پوئے آتھ ہزار اوراق پر مبنی ہیں [سہیل بخاری دار دو داستان میں ۱۹۳۰] حیدر مرزا کی داستانوں میں بچول سہیل بخاری سادہ و سلیس دقیق و رفکین ہر قسم کی عبارت کے منونے ملتے ہیں۔ ہرداستان کا آغاز عمو اوہ معفی و ممج عبارت سے کرتے ہیں لیکن آگے چل کر ان کے اسلوب میں سادگی و سلاست آجاتی ہے ۔ رزم بزم کے لقشے ، منظر نگاری اور تہذیب و معاشرت کی تصویر کئی میں ان کی داستانوں میں لکھنواسکول کی داستانوں کا داستانوں کی دیاستانوں کی داستانوں کی داستانوں کی دیاستانوں کو دربان کی داستانوں کی دربان کی داستانوں کی دربانوں کی در

* بمرران سحر تقریر و منشیان جادواس داستان بے نظیر کو بکاغذ حریراس طرح تحریر کرتے ہیں کہ جس وقت زمرد ٹمانی از تائید آسمائی قتل ہوئے داخل مہم و اسفل السافلین ہوااور تمام کفار اکناف عالم میں منتشر ہوگئے توخداپرستوں کی فتے ہوئی۔ *[ایضاص ۱۳۹۲] حکیم سید اصغر علی خال: اصغر لکھنو کے حامور داستاں کو تھے ابتداء میں در بار ٰاودھ میں ملازم رہے اور بھر سلطنت اووھ کے زوال کے بعد لاہور کے وربار ے وابستہ ہوگئے ۔ووران قیام لکھنوانہوں نے "قصہ ءروشن جمال "، " قصہ پروین " داستان غزاله " وغیرہ تصنیف کی تھی رام پور کی سرکار سے وابستہ ہونے کے بعد انہوں نے درج ذیل تصانیف سپرد قلم کی ہیں:[ایضاً ص ۲۵۰] ايرج مامه جلداول ۱۸۹۸ء ٢٩٣ اوراق بعهد نواب کلب علی

ځال

۴ جلد دوم ma1

" جلد سوم " جلاچهارم

" جلد بتخم 707

داستان نسليم جاوو ے سرح

ظلىم ہفت كواكب 114

داستان شمالبه باختر

اصغرعلی کی زبان عام فہم اور رواں ہے لیکن بعض مقامات پر جملے غیر متناسب ہوتے ہیں بقول ڈا کٹر سہیل بخاری ان کی تحریر بالعموم تقریرے مشابہہ ہے عبارت کا تنوینه درج ذیل ہے:

" نور الدہرنے پہچانا کہ بیہ خورشید ستارہ پرست ہے خورشید نور الدہر کو دیکھ حیران ہوا کہ یہ بھی یہاں گر فقار ہے باہم اشاروں میں باتیں بونے لگیں مشکل اور مسلسل میں دونوں پیٹھی ہوتی ہیں۔"

صبت وقع برپاہے ہر طرح سے چاہتی ہے کہ یہ ہماری طرف مخاطب ہوں نور الدہر

اور خور شيد التفات نهيل بكرران سے بات نہيں كر يا أس اليفا من ما

مر زاعليم الدين :

علیم الدین کے والد کا نام مرزا رحیم الدین حیاتھا۔ کمنی میں وہ لینے والد کے ہمراہ رامپور حلج آئے ۔ علیم الدین نے ۱۹۲۰ء میں وفات پائی ۔ وہ اکیب کثیر التصانیف مصنف تھے۔ بقول پروفیسر گیان چند جین "ان کی تصانیف کی تعداد منشی غلام رضا ہے بھی زیادہ ہے۔ "[ار دوکی نمژی داستانیں ص ۲۳۷] ڈا کمر مہیل بخاری لکھتے ہیں:

"مستف نے داستان امیر حمزہ جدید کی کئی جلدوں کے علاوہ کتنے ہی
طلسمات تحریر کئے ہیں یہ سب کی سب کتا ہیں لکھنوی داستانوں کی
باقیات میں شمار کی جاسکتی ہیں کیونکہ ان کے مذصرف واقعات بلکہ
بیانات کا سلسلہ بھی لکھنو سے ملتا ہے ۔ مصف کی انفرادست صرف
ان کی انشاء پردازی تک محرود ہے جس کا سلسلہ نسب وہلوی انشاء
پردازوں حک جہجتا ہے ۔ ہی وجہ ہے کہ ان کے اسلوب میں تصنع
بردازوں حک جہجتا ہے ۔ ہی وجہ ہے کہ ان کے اسلوب میں تصنع
اور تکلف کی جگہ سادگی اور سلاست پائی جاتی ہے ۔ اس کے باوجود
زبان میں جاشن اور قصہ گوئی کی لطافتیں ملتی ہیں ۔ آار دوداستان ۔

در بار رام پور کے دیگر داستان نگاروں میں غلام علی عشرت (داستان سح البیان) احمد علی عفلت (فسانہ ، رام و سیستا) احمد علی رسا (چہارشہزادہ) صغیر علی مروت (گلدستہ ، عباب علی خال خیالی (داستان ہندی ترکی) محمد عباس علی خال بیتاب (گلزار عشق سہار حشق) نواب محمد کلب علی خال (بلبل نغمہ سنج) حیدر علی خال (جادہ ، تخیر) منیر شکوہ آبادی (طلسم گو ہربار) سید عابد علی (فسانہ مجموعہ گزار عشق) اسپرخال تخیر) منیر شکوہ آبادی (طلسم گو ہربار) سید عابد علی (فسانہ مجموعہ گزار عشق) اسپرخال (گلستان مسرست) مرزا مرتفئی حسین وصال (طلسم بوتلوں) محمد اسحاق (طلسم کن فکیون) جلال لکھنوی (بالا باختر) میرا محمد علی (طلسم طہمورت دیو بند) کے نام لائق ذکر

ارود داستان ندیسی کی تاریخ میں رام پور کی داستانوں کی اہمیت مسلم ہے ۔ لکلتہ،

لکھنو اور ویگر او بی مراکز کے مقابلے میں رام پورکی داستانوں کا ذخیرہ سب سے زیادہ ہے سن دام سلطنت وہلی اور لکھنو کے بعد دو نوں مقامات کے اہم داستان نویس رام پور میں جمع ہوگئے سرام پورکی داستانیں لکھنوکی داستانوں کے مقابلے میں تعداد کے اعتبار سے زیادہ ہیں لیکن زبان و بیان اور طرز و تحریر کے لحاظ سے ایک دو سرے سے مختلف نہیں ۔ ڈاکٹر سہیل بخاری نے لکھنو اور رام پور اسکول کی داستانوں کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے بالکل صحح رائے تائم کی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں ۔

* مواد اور اسلوب تحریر دونوں کے اعتبار سے لکھنوی اور رام پوری واستانیں یکساں نظر آتی ہیں ۔ لیکن رام پور کا کارنامہ لکھنو کے مقاملے کئ لحاظ سے بڑھا ہوا ہے ۔اول یہ کہ رام پور نے لکھنو ہے بہت زیادہ داسانیں پیش کیں جن میں داسان امیر جمزہ کے کئ 🐃 نقوش ،اس کے جملہ د فاتراور بحران کے متعلقات شامل ہیں ۔دوم یہ کہ رام یور میں جتنے طلسمات تحریر ہوئے وہ سب کے سب طبع زاد ہونے کے علاوہ تعداد میں بھی اتنے زیادہ تھے کہ لکھٹوی طلسمات کا سرمایہ ان کے سلصنے کر دہو گیا ہیہ طلسمات رام پورکی واحد اور بلا شرکت غیرے ملیت ہیں - سوم یہ کہ رام پور میں مرف ایک داستان کستان مقال ہی ایس لکمی گئ ہے جس کا سلسلہ بندرہ جلدوں میں پھیلاہواہے اور حیے بوستان خیال اور داستان امیر حمزہ مے پہلو بہ پہلو ر کھا جاسکتا ہے ۔[۱۴۰ ۔ ڈا کٹر نہیل بخاری ۔ ار دو داستان سرم ۱۳۸۷]

يريم چند كے افسانوں كاتتقىدى مطالعه

پریم چند اردو کے اولین افسانہ نگاروں میں سب سے اہم اور قدآور تخلیق کار
ہیں ۔ ان کا اصل نام وحنیت رائے تھا۔ وہ اہم/ جولائی ۱۸۸۰ء کو بنارس کے قریب
اکید گاؤں ملبی میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم گھریر ہی حاصل کی ، بعد کو انعوں نے
بنارس کے کالیٹ اسکول سے انٹرنس پاس کیا اور محکمہ ، تعلیم میں ملازم ہوگئے ۔
ملازمت سے وابستہ ہونے کے ایک عرصہ کے بعد انھوں نے خانگی طور پر بی ۔ اے کا
امتحان بھی کامیاب کیا تھا اور ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدہ تک پہنچ ۔ پریم پعند نے
چوں کہ حذیہ ، حب الوطنی کے زیر افر افسانہ نگاری کی ابتداء کی تھی ۔ اس لیے ان کے
اولین افسانوں میں آزادی کی خواہش اور ظلم و جرکے خلاف آواز بلند کرنے کار جمان
مایاں تھا۔ جب ان کے افسانوں کا پہلا یموعہ " بوز وطن " جون ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا تو
مرکاری حلقوں میں بڑے خیض و غضب کا اظہار کیا گیا اور اس کتاب کی دستیاب
جلدوں کو ضبط کر کے نمائع کر دیا گیا۔ " سوز وطن " کے ناشر دیا نرائن نگم کا بیان ہے

حکومت کے ظلم و زیادتی نے پر تم پھند کے حذبہ ، حب الوطنی کی آگ کو اور تمبر کا یا ۔ مذ کورہ کتاب کی ضبطی کے بعد " زمانہ " (کانپور) میں ان کی تمین کہانیاں " گناہ کا اگن کنڈ "، "سیر درویش "اور" رانی سار ندھا" مصنف کے نام کے بغیر شائع ہوئیں ۔ پریم جتدینے فروری ۱۹۲۱ء سرکاری ملازمت ہے مستعفی ہونے کے بعد ، دیا نرائن نگم کے مجوزہ تلمی نام " پریم چند" ہے لکھناشروع کیا اور اسی نام سے شہرت حاصل کی ۔انھوں نے ایک رسالہ "ہنس" جاری کیا تھااور کچھ عرصے تک" مادھوری " کے مدیر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں ۔آخری عمر میں انھوں نے فلموں کے لیے کہانیاں بھی مکھی تمیں سیریم چندنے ۸/۱ کتوبر۱۹۳۹ء کو بنارس میں و فات پائی ۔

پریم چند کاپہلاطیع زاد افسایہ عشق دنیااور حب وطن "رسالہ زمایہ (کانپور) اپریل ۴-۱۹۰ میں شائع ہوا تھا (۲) سان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ " سوز وطن " کے عام سے جون ۸ - ۱۹۰ میں منظرعام پرآیا سیہ وہ زیانہ تھاجب کہ پریم پیتد " نواب رائے " کے نام سے لکھا کرتے تھے۔ پریم چند کا پیدائشی نام دھن بت رائے تھا۔ لیکن ان کے والدپیارے انھیں "نواب" پکارا کرتے تھے۔اس لیے انھوں نے اپنا پہلا تلی عام " و حنبت رائے " اختیار کیا۔ پر بم چند کے نام سے ان کی پہلی کہانی " بڑے گمر کی بیٹی · " زمانه " وسمبر ۱۹۱۰ میں شالع ہوئی ۔ ڈا کٹر جعفر رضانے این کتاب " پریم چند فن اور تعمیر فن " میں ان کی ۳۰۳ کہانیوں کا گوش وارہ شائع کیا ہے (۳) ۔اس کتاب کی اشاعت کے بعد بعض اہل قلم نے جند کہانیوں کو مشکوک قرار دیاہے اور بعضوں نے تدیم رسائل میں پریم چند کی کچھ اور کہانیوں کی نشاند ہی کی ہے۔اس لیے ان کی کہانیوں کی بھو ٹی تعداد کے بارے میں کوئی حتی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ پریم چند کے اب تک ۱۲/ افسانوی مجموعہ شائن ہوئے ہیں۔ جن کی تنسیل

ذیل میں ورج کی جاتی ہے۔

يخوع كانام سال اشاعت ک**ہانیوں کی تعد او** سو ز و طن

ېرىم پېچىسى حصە اول (٣)

پریم پچسی تعبیر دوم (**) -191A

Ia	-1940	پریم بتنیبی حصه اول	(r)
H	-197*	پریم بتنسی حصه دوم	(a)
M	-197A	خاک پروانه	(٢)
160	-19TA	خواب و خيال	(4)
11	-1979	فردوس خيال	(A)
* •	-19tm+	ېرىم چالىيىي حصيه اول	(4)
70	-141-	پریم چاکسیسی حصیہ دو م	(+)
ll.	١٩٣٢	آخری شحصنه	(11)
Ià	٢٩٩١ء	زادراه	(II)
•	-1914	دودھ کی قیمت	(17)
lh-	-1914	واردات	(I rr)
4		کر دو مجموعے پر نیم چند کی وفات کے بعد	
عذ و ترجمه کی گئ		نْ "اور " ^{کِف} ن " جسی بے مثال کہانیو ں	
		کہانی " رونھی رانی " (۷ ۱۹۰۰) بھی شاملِ نہ	طويل
		َ بریم چند نے امواء میں اپنی ادبی زندگی ^ا	
		۱۹۲ تک ملیں سال کے عرصہ پر تحط ہے	
) طویل کہانی " روتھی رانی " زمانہ (کانپور	-
·		ور " سوز وطن " کی اشاعت ۸ ۱۹۰۸ میں عمل	-
، پہلے اس کتاب شخا	ں جموعہ کی اشاعت ہے میں	، بیه اندازه لگانا د شوار نهیں که پہلے افسانو کا	ہوئے
ہے محلقی سفر کے	یوں گئے ۔ پر نیم چند کے	د ایک ا نسانے ض بط تحریر میں ضرور آئے ،	کے وا
میں عسیم کرنا	درج ذیل تنین ادوار	رے سلسلہ میں ان کی افسانہ نگاری کو	
		ب معلوم ہو تاہے:	متاسد
	۱۹۰ ۷ -	(۱) پهلا دور	
	AIPIA	(۱) د وسرا دور 	
بالماهاء	اساواء سـ	(۱) تمبيرا دور	

پہلے دور کے افسانوں میں پر یم چندا کی طرف ردمانی اور داستانی طرز نگارش سے اثر پذیری کی وجہ سے افسانہ نگار کم اور قصہ گو زیادہ نظر آتے ہیں تو دوسری طرف ملک کے سیاسی حالات سے متاثر ہوکر انگریزوں کی بربرہت اور استبداد کے ردعمل کے طور پر وطن پر ستی کے حذبات سے خود بھی سرشار معلوم ہوتے ہیں اور اپنے ہم وطنوں کو بھی ظلم و زیادتی کے خلاف آواز بلند کرنے، غلامی کاجوا آثار بھینکنے، ایثار و قربانی سے کام لینے اور مزل دارور س کی طرف برھنے کی تلقین کرتے ہیں۔

قربانی سے کام پینے اور منزل دارور سن بی طرف بڑھنے کی معین کر ہے ہیں۔

پر یم چھد کا پہلا افسانوی مجموعہ" موز وطن" پانچ کہانیوں (۱) دنیا کا سب سے
انمول رتن (۲) شیخ مخور (۳) بہی میراوطن ہے (۴) صلہ ماتم اور (۵) عشق دنیا اور حب
وطن پر مشتل ہے ۔چوتھے افسانے (صلہ ماتم) کو چھوڑ کر اس مجموعے کے سبعی
افسانے وطن پر ست کے جذبات کی آئینے داری کرتے ہیں جہلے اور دو سرے افسانے
میں خصوصی طور پر داسانی فضا اور شاء اندرنگ نمایاں ہے۔ کہانی کا انجام طربیہ ہے
میں خصوصی طور پر داسانی فضا اور شاء اندران کی حرکات و سکنات، ان کے موجنے کے
اندراز اور مکالموں پر بھی رومانی رنگ اور مصنوعی انداز کی چھاپ ہے۔ پرو فسیر مسعود
حسین خاں " موز وطن " کی پہلی کہانی دنیا کا سب سے انمول رتن میں رومانی فضا اور

"قصہ شروع سے آخر تک پڑھ جائے ایک داستانی رنگ ملے گا۔ ملکہ کی شرط ، دل نگار کی دو سفروں میں ناکامی اور تعیرے سفر میں " بزرگ سبز پوش " کی رہمنائی سے گوہر مراد کا پانا ہے سب ہماری داستانوں کالازمی جزو ہیں ۔افسانے کی زبان تک داستانی ہے۔ مثلاً " بالآخر ایک مدت دراز میں ملکہ اللیم اور در صدف مجبوبی کے در دولت پر جا بہنچا اور پیغام دیا کہ دل فگار سرخرد کامگار لونا ہے اور در بار میں حافر ہوناچا ہا ہے۔ "مہاں تک کہ اس چھوٹی می کہائی میں در بار میں حافر ہوناچا ہا ہے سمان دکھایا ہے وہ بھی انھیں مقررہ الغاظ کوہ و صحرا اور دریا کا جو سمان دکھایا ہے وہ بھی انھیں مقررہ الغاظ میں کہا ہے جنھیں ہم داستانی کہ سے ہیں ۔ مثلاً: مدتوں تک پرخار میں کہا ہے جنھیں ہم داستانی کہ سے ہیں ۔ مثلاً: مدتوں تک پرخار میں بین کہا ہے جنھیں ہم داستانی کہ سے ہیں ۔ مثلاً: مدتوں تک پرخار بین کہا ہے جنھیں ہم داستانی کہ سے ہیں ۔ مثلاً: مدتوں تک پرخار بین کہا ہے بین ہم داستانی کہ سے ہیں اور ماکائل میور

پہاڑوں کو طے کرنے کے بعد ہند کی پاک سرز مین میں داخل ہوااور الکیہ خوش گوار چھتے میں سفر کی گفتیں دھو کر غلبہ ، ماندگی ہے ب جو ئبار لیٹ گیا ۔ شام ہوتے ہوتے ایک کف دست میدان میں بہنچا "افراد قصہ کے ناموں میں بھی داستانی طرز کا علامتی رنگ ہے ۔ مثلاً "ول فگار عاشق ہے ۔ معثوق دل فریب ہے ۔ " در حقیقت یہ افسانہ سمٹی ہوئی داستان ہے ۔ اگر پر ہم چند اس کو داستان بنانا چیاہتے تو بہت آسانی ہے دل فگار کے تین سفروں کو طول دے کر اس میں طلم کا عنصر شامل کر کے (سبز پوش بزرگ تو موجود ہی ہیں) اس میں طلم کا عنصر شامل کر کے (سبز پوش بزرگ تو موجود ہی ہیں) الیما کر سکتے تھے اور اس طرح یہ عاتم طائی کی " ہفت سیر حاتم " کے مقابلے " سہ سیر دل نگر " بن جاتی "(۱) ۔

پریم چند نے قوم پرستی اور حب الوطنی کے حذیبے کے زیر انٹراسی دور میں اپنی قوم میں حذبه ، حریت کو بیدار کرنے اور عظمت رفتہ کا حساس دلانے کے لیے تاریخی افسانے . بھی اپنی یادگار چھوڑے ہیں ۔اس قبیل کے افسانوں میں " رانی سار عد صار " (۱۹۶۔) " گناه کا اگن کنڈ " (۱۹۱۰) " راجا ہروول " (۱۹۱۱) اور " آلھا " (۱۹۱۲) کے نام پیش کیے جا کتے ہیں ہوں کہ ان افسانوں کے بلاٹ تاریخ حقائق بر مبنی ہیں اس لیے طوالت ے باوجود ان میں ول بستگی کے تمام عناصر موجود ہیں ۔" پریم چیسی " کے تاریخ افسانوں پراظہار خیال کرتے ہوئے پرونسیر مسعود حسین خاں لکھتے ہیں۔ " بریم پچیسی کے تاریخی افسانے تقیناً" سوز وطن " کے افسانوں پر ہر اعتبار سے فوقیت رکھتے ہیںان میں فنی تکمیل کا احساس کافی حد تک ملیّا ہے ۔ یہ واستان کا بلکہ تاریخ کا ورق ہیں۔اس لیے ان کا اثر زیادہ ويريا، وأب ملك تاري واقعات سے اخذ كيے كئے ہيں اس ليے دل حبب اور طویل ہیں ۔ مگر ان قصوں کو لکھتے وقت مصنف کا للم . غیر ارادی طور پر سرعت سے چلنے لگا ہے ایک نیا عنصر جو ان افسانوں میں جگہ پاتا ہے۔مظرکشی ہے۔مظر نگاری میں پریم جلا نے غصنب کا کمال و کھایا ہے "(٤) ۔

پریم پہند نے لینے اہتدائی دور کی کہانیوں میں لینے پیش رو تخلیق کاروں جیسے سرت پہندر، منگور اور طالبنائی کا افر قبول کیا اور بہت جلد لینے فکر وفن کی بنیاد پر انھوں نے ایک نئی اور منفرد تخلیقی دنیا آباد کر لی سہند دستانی دیہات اور ان میں رہنے لینے والے غریب، محنت کش اور ان پڑھ عوام ان کے افسانوں اور ناولوں کا محور و مرکز ہیں سپریم چند خود چوں کہ ایک گاؤں کے رہنے والے تھے اور ان کا تعلق ایک متوسط طبقے سے تھا، غلامی لعنتوں، مہاجنوں اور زمین داروں کے مظالم، ہر یجنوں، محنت کشوں، بیواؤں اور اچھوتوں کے دکھ درد، بھوک، بیماری اور افلاس کو ای آنکھوں کشوں، بیواؤں اور اچھوتوں کے دکھ درد، بھوک، بیماری اور افلاس کو ای آنکھوں سے دیکھا تھا ۔ اس لیے لینے افسانوں اور ناولوں میں دیماتی زمدگی اور اس کے مسائل کی متافرکن، سپی اور حقیقی تصویر پیش کی ہے ۔ پریم پختد نے اردو افسانے مسائل کی متافرکن، سپی اور حقیقی تصویر پیش کی ہے۔ پریم پختد نے اردو افسانے کے موضوع میں جو تبدیلی پیدا کی اس کو خواج شخصین پیش کرتے ہوئے احتشام خسین لکھتے ہیں:

"کہانیوں کاموضوع بادشاہوں، شہرادوں، جنوں ادر پریوں سے نیجے اتر کر خاص قسم کے انسانوں تک پہنچ گیا تھالیکن سے پر بم چند ہی کا کام تھا کہ انھوں نے محنت کش عوام کو لینے افسانوں اور ناولوں کا ہمیرو بنایا اور اس دنیا کی تصویر کھینی جو سب سے زیادہ جاندار اور سب سے زیادہ حقیقی اور سب سے زیادہ انسان دوستی کی مظہر تھی سے ہی نہیں بلکہ میراتو یہ بھی خیال ہے کہ ار دواور ہندی میں پر بم پحند پہلے ادیب بیس جھوں نے شعوری طور پر ادب کے ذریعہ عوام کے ادیب بیس جھوں نے شعوری طور پر ادب کے ذریعہ عوام کے مسائل تجھنے کی کوشش میں انسان دوستی کی طرف قدم اٹھایا۔"

سردار جعفری پریم چند کی ادبی تخلیقات کے بارے میں لکھتے ہیں:

" پریم چند کی عظمت کارازیہ ہے کہ انھوں نے بڑی سچائی اور شدت کے ساتھ کسانوں کی ذہنی حالت اور در میانی طبقے کے نقطہ یہ نظر کو اس وقت پیش کیا جب ہندوستان میں اہم اور بنیادی تبدیلیاں ہور ہی جدوجہدے اس دور میں ہمور ہی جدوجہدے اس دور میں

کسانوں کی معیشت اور زندگی کے پرانے ڈھانچے ٹوٹ رہے تھے۔ افھوں نے لینے ادب میں اس نفرت اور تلخی کی تصویر کشی کی ہے جو کسانوں کے دل میں معاشی استحصال اور ظلم کے خلاف جمع ہو گئ تھی۔" (ترقی پسند ادب ص ۱۲۵–۱۲۸)

دیمهات میں پروہت ، مہاحن ، زمین وار اور اعلیٰ طبقے کے افراد جس طرح اد نیٰ طبقے کے لوگوں کا استحصال کرتے ہیں اس کی موٹر ترجمانی پریم چند کے افسانوں میں ملتی ہے ۔ان کے افسانوں کے بیشتر کر دار گاوں کی تھلی فضامیں سانس لینے والے ، ان پڑھ اور جاہل مرداورخواحین ہیں لیکن ان غریبوں کو نام نہاد تعلیم یافتہ انسانوں ، برہمنوں ، ساہوکاروں اور حکومت کے عہدہ داروں کے ہاتھوں حن مسائل کا سامنا کر ناپڑتا ہے ان کی بولتی ہوئی تصویریں پریم چند کے افسانوں میں نظر آتی ہیں ۔ "پریم پچیسی "کے افسانے" بے غرض محن " (۱۹۱۰ء) " صرف ایک آواز " (۱۹۱۳) " اند حمرا " (۱۹۳۱ء) "خون سفید " (۱۹۳۴ء) اس دور کے الیے نمائندہ افسانے ہیں ، حن میں غریب کسانوں ، ہر یجنوں ، ان پڑھ دعہاتیوں اور محنت کشوں کی بے دست و پائی ، مغلوگ الحالی، مجبوری اور محتاجی کی ختم یہ ہونے والی داستان حقیقت پسندی کے ساتھ بیان کی گئ ہے۔ یہ قول ڈا کمرُ قمرر ئیس " پر بم چند پہلے اویب ہیں جنھوں نے ہندوستانی گاؤں ے کسانوں ، کھیت مزدوروں اور ہر یجنوں کی عظمت اور انسانی وقار کو مجما -ان کے لیے ادب کے کشادہ دروازے کھولے ،انمیں ہمیرد بناکر ،ان کے دکھ سکھہ کی گاتھا سناکر ار دو کے افسانوی ادب کو نئی وسعتوں اور ایک نئے احساس جمال ہے آشتا کیا اس طرح اردو ادب جو اب تک شہر کے اعلیٰ اور متوسط طبقہ کی ترجمانی کر تاتھا ، سارے ملک کی متحرک زندگی ، عوامی تحریکوں ، سماجی آویز شوں اور عام انسانوں کے مشغلوں اور معر کوں کاجاندار مرقع بن گیا "(۸) س

پریم پجند کی افسانہ نگاری کا دو سرا دور ۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۰ء تک تیرہ برسوں پر مجھیلا ہوا ہے ۔اس دور میں ایک طرف وہ اصلاحی افسانہ نگار کی حیثیت سے سلمنے آتے ہیں اور دوسری طرف ان کی کہانیوں میں مقصد بہت کا عنصر اور سیاسی رنگ بھی نمایاں ہونے لگتا ہے ۔اس عہد کے افسانوی مجموعوں میں "پریم پچیسی " (حصہ دوم ۱۹۱۸ء)، " پریم بتنیبی " (حصه اول و دوم ۱۹۲۰ء) ، " خاک پروانه " (۱۹۲۸ء) ، " خواب و خیال " (۱۹۲۸ء) اور " فردوس خیال " (۱۹۲۹ء) شامل ہیں ۔

تاریخی اور سیای نقطہ نظرے یہ وہ زمانہ ہے جب کہ ۱۹۱۰ میں روس کا عظیم اکتوبر انتظاب کامیاب ہوا ۔ یہ کامیابی نہ صرف اہل روس کے مزدروں ، کسانوں اور پس ماندہ عوام کو افلاس اور جہالت سے نجات دلانے کا پیش خیمہ نابت ہوئی بلکہ ساری دنیا کے محنت کش طبقے کے لیے کامیابی و کامرانی کامردہ بھی تھی ۔ روسی انتظاب سے متاز ہوکر پریم چند اپنے ملک کے زمین داروں اور تعلقہ داروں کو اس طرح متنہ کرتے ہیں:

".....اگر قوم میں انسانیت اور لاج شرم نہیں ہے تو (بھی) ای بھلائی کا تقاضا ہے کہ ہم ابھی سے جنتا کے دل کو بس میں کرنے کی کو شش کریں۔ اس بات میں ہمارے تعلقہ دار اور زمین دار ، چاہ وہ اند حمیرے اودھ کے ہوں یا اجالے بنگال کے ، سب سے زیادہ مور دِ الزام ہیں۔ مناسب یہی ہے کہ وہ مستقبل کے نقصان کی فکر نہ کرکے کسانوں کی بھلائی اور سد صارکی کو شش کریں کیوں کہ آنے والا زمانہ اب جنتا کا ہے اور وہ لوگ پھتائیں گے جو زمانے کے قدم حاکم نہیں چلس کے ۔ (۹)۔

۱۹۱۸ء میں جب بہلی جتگ عظیم اختتام کو بہنچتی ہے تو انگریزی حکومت نے تحریک آزادی ہند کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے روائٹ ایکٹ پاس کر دیا۔ اس ایکٹ کی مخالفت میں ملک کے رہماؤں نے ستیہ گرہ اور عدم تعاون کے مظاہرے کیے۔ ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ کاسانحہ رو نماہوا۔ جس میں بے شمار بہنے لوگوں کا قتل عام کیا گیا تھا ان تمام واقعات پر پر یم جند کی نظر تھی۔ ہندوستان کی سیاسی تاریخ کے افق پر گاند می الکی روشن سازے کی طرح نمودار ہو چکے تھے۔ پر یم جند گاند می بی کے نظریات سے ابتداء سے متاثر تھے اور جب انموں نے ۱۹۲۱ء میں انگریزوں کے ظام و استبداد کے خلاف ترک موالات پر گاند می بی تقریر می تو سرکاری ملازمت سے مستعنی ہونے کا خلاف ترک موالات پر گاند می بی تو س وہ لکھتے ہیں:

" یہ ۱۹۲۱ء کا واقعہ ہے۔ان دنوں تحریک عدم تعاون زوروں پر تھی۔ جلیانوالہ باغ کا عادشہ و چکاتھا۔ا نمیں دنوں گاند می جی نے گور کھپور کا دورہ کیا۔غازی میاں کے میدان میں او نچا پلیٹ فارم تیار کیا گیا دولا کھ سے کم کا جمع نہ تھا۔۔۔۔۔ مہا تماتی کے در شنوں کی یہ بر کت تھی کہ میرے النے مردہ دل آدمی میں بھی جان آگئ اس کے دو ہی چار دن کے بعد میں نے اپن بیس سال کی سرکاری ملاز مت سے استعفیٰ دے دیا "(۱۰)۔

سرکاری ملازمت سے چھکارا حاصل کرنے کے بعد وہ نہ صرف جدو دہمد آزادی کی تحریکوں کے بہت قریب آگئے تھے بلکہ ان کا قلم پوری آزادی اور اعتماد کے ساتھ چلنے لگا اب وہ ہمہ وقتی طور پر پورے انہماک اور یکسوئی کے ساتھ تصنیف و تالیف کے کام میں مفروف ہوگئے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں اس دور کی سماحی ، سیاسی اور تہذیبی زندگی کے موثراور حقیقی مرقعے محفوظ ہو گئے ہیں ۔ مجھاڑے کامٹو " ، " ستیہ گره "، " کاتل "، " جیل "، " عجیب ہولی "ایسی کہانیاں ہیں جن میں اس عہد کی سجی اور بولتی ہوئی تصویریں د کھائی دیتی ہیں ۔پریم چند نے اس دور میں بعض کہانیاں ایسی لکمی ہیں جس میں اس زمانے کی سیاسی تحریکوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ پریم چند جدو چهد آزادی میں شریک ہو ناچاہتے تھے سب^یب وہ عملی طور پراس جدو جہد میں شامل نہیں ہوسکے تو انھوں نے قلم کے ذریعہ اس میں شرکت کی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے پیٹے ہندی کے معروف ادیب امرت رائے نے ان پرجو کتاب اکمی ہے اس کا منوان ہے " للم كاسپاہى -" اس للم كے سپاہى نے سياسى تحريكوں كو موضوع بيناكر جو كہانياں لكمي ہیں ان میں "آخری تحفہ " بڑی ہی موثر کہانی ہے۔ جب ہندوستان میں سو دیسی تحریک جل رہی تھی اس تحریک کا مقصد تما کہ صرف دیسی چیزیں استعمال کی جائیں اور کوئی مجی ولایت یا بدلیی چیزاستعمال مذکی جائے۔ آخری تحد میں اس تحریک کو پیش کیا گیا ہے ۔ ایک صاحب این محبوب کی فرمایش پر ولایق ساڑی خرید ما چاہتے ہیں لیکن د کانوں پر سو دیسی تحریک کے کار کن مظاہرہ کرتے ہیں اور بدیسی چیزوں کو فریدنے پر پابندی لگادیتے ہیں لیکن یہ صاحب ولایتی ساڑی خریدنے کے لیے وکان کے پچھلے

وروازے سے اندر جاتے ہیں اور ساڑی خرید کر جب واپس ہوتے ہیں تو ایک سودیی تحریک میں حصہ لینے والی خاتون انھیں رنگے ہاتھوں پکڑلیتی ہے ۔ انھیں بدیسی چیزیں نہ خرید نے پرآبادہ کر ناچاہتی ہے لیکن وہ اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ انھیں کسی کی فربایش پوری کرنی ہے ۔ کارکن خاتون ان کے ساتھ جاتی ہا اور فربایش کرنے والی کو بدیسی چیزوں کے استعمال نہ کرنے گچر دیت ہے ۔ جس پروہ خاتون پر ہم ہوجاتی ہے اور کارکن خاتون پر نازیبا جملے کستی ہے۔ یہ صاحب کارکن خاتون کے جاتی ساڑی پروہ خاتون کے جذبہ ، حب الوطن سے متاثر ہوتے ہیں اور اس خاتون کو ولایتی ساڑی والی دینے کے لیے جبی ہیں۔ جس کے لیے وہ آبادہ نہیں ہوتی ۔ اس کی ضد کو دیکھ کر یہ صاحب کہتے ہیں کہ اگر تم یہ ساڑی والی نہ کروگی تو یہ میرا" آخری تحف ہوگا۔ اور افسانہ نگاری کا کمال ان کہا تیوں میں بام عروج پر نظر آتا ہے جن میں انھوں نے جہی زندگی اور اس کے مسائل کو اپنی فکر و نظر کی جو لانگاہ بنایا ہے ۔ اس تبیل کے افسانوں میں "پوس کی رات"، علاحدگی"، " سبحان بھگت "، سواسیر گیہوں "، " مزار آتھیں "

"پوس کی رات" ان دور کی نتخت کہانیوں میں سے ایک ہے جس میں پر یم چند نے ایک غریب اور مقروض کسمان کی کمجی نہ ختم ہونے والی مصیبتوں کی کہانی بیان کی ہے ۔ بلکو ایک مفلوک الحال کسمان ہے جس نے بسیہ پسیہ کرے تین روپ بین کی ہے ۔ بلکو ایک مفلوک الحال کسمان ہے جس نے بسیہ پسیہ کرے تین روپ بھٹے گئی تھے ۔ تاکہ پوس کی رات میں سردی سے بھٹو نے سردی میں ٹھٹونا گوار السینے قرض خواہ کی ڈانٹ ڈیٹ اور گالیوں کے خوف سے بلکو نے سردی میں ٹھٹونا گوار اکر لیا۔ ہلکو تعوری دیرے لیے چپ چاپ کھڑا رہااور وہ لینے دل میں سوچتارہا کہ پوس سربرا گیاہے ۔ بغیر کمبل کے رات کو وہ کس طرح کھیت پر نہیں سوسکا۔ گر شہنا مانے گانہیں گھڑکیاں دے گا، گالیاں سنائے گا۔ بلاسے جاڑے میں میں گے یہ بلا تو سرسے طلے گی " (ا) ۔ جب پوس کی خون مجمد کر دینے والی رات میں بلکو کو لینے کھیت کی حفاظت کے بیانا پڑاتو اس کاساتھی کیا جبرا بھی اس کے ساتھ ہوگیا۔ پوس کی برفسلی موفق کی دونوں گھٹنوں رات میں بلکو نے کہی دونوں گھٹنوں

کو تھاتی ہے ملاکر سرکو تھیانے کی کوشش کے جبرا سردی ہے پسٹ میں منہ ڈالے کوں کوں کررہا تھا۔ رات آدمی سے زیادہ باتی تھی ہیں بلکو نے اطراف سے پتیاں بور کر انھیں جلایا اور آگ تلینے لگا۔ جبرا بھی دم ہلاتا ہوا قریب آیا اور تھوڑی دیر بعد وہ بھونکتا ہوا کھیت کی طرف لیکا۔ ہلکو نے محسوس کیا کہ جانور وں کا ایک عول اس کے کھیت میں آگیا۔ اس نے جانوروں کے چرنے کی آواز بھی سنی مگر اس سرد رات میں کھیت کی طرف جانا، جانوروں کا پیچاکر کے انھیں بھاگانا سے بہاز معلوم ہوا۔ مع جب وہ نیند سے بیدار ہوا تو چاروں طرف و سوپ پھیل گئی تھی اور منی سلمنے کھری کہ دبی تھی " تم کہاں آگر مرکئے اوھر سارا کھیت چوہٹ ہو گیا۔ " پر بم چند کے سبمی نقادوں نے اس کہانی کو ہر جہت سے کامیاب قرار دیا ہے۔ بہ قول ڈاکٹر گوئی چند نارنگ:

"اس کہانی میں (پوس کی رات میں) پر یم چند نے ایک بڑی در وناک صورت حال کو سفاکاند معروضیت کے ساتھ پیش کیا ہے اور زمین داری کے لگائے ہوئے گھاؤ کو طزکے نشتر سے کریدا ہے ۔ یہ کہانی بھی IRONY کی سطح پرسانس لیتی ہے۔ پلاٹ کی تعمیراور مکالموں کو ایک کے بعد ایک بنا ہی اس طرح گیا ہے کہ ایسی صورت حال سامنے آئے جو بنیادی طور پر طزیہ ہو، لیکن اس سے پیدا ہونے والا تاثرانسان کی بے بسی اور ججوری کے در دسے دل کو تزیادے "(۱۲)

پریم چند کے افسانوی مغر کا تبیرا دور ۱۹۳۱ء ہے ۱۹۳۷ء تک تھے برسوں پر محیط ہے ۔۔
اس دور میں ان کے نظریات و تعور ات میں نمایاں تبدیلیاں آئیں اور انموں نے لیت و سبع نفسیاتی مطابعہ اور انسانی فطرت کے عمیق مشاہدے سے کام لیتے ہوئے اپن کہانیوں کو حقیقت نگاری اور واقعیت سے قریب ترکر دیا ۔ ان تھے برسوں میں پریم چند کے دو افسانوی جموعے "آخری تحفہ" (۱۹۳۳ء) اور "زاور او "(۱۹۳۹ء) شائع ہوئے اور ان کی وفات کے بعد دو اور بموعے " دودھ کی قیمت " (۱۹۳۷ء) اور " وار دات میں منظرعام پر آئے ۔ لیکن یہ دونوں مجموعے پریم چند کے در مانہ ، حیات ہی میں

مرتب ہو چکے تھے (۱۳) ۔

نجات، دودھ کی قیمت، کفن، جرماند، ممس پدما، نئی بیوی، نوک جمونک اور مالئن اس دور کی نمائندہ کہانیوں میں طبقاتی مالئن اس دور کی نمائندہ کہانیوں میں شامل ہیں ۔اول الذکر چار کہانیوں میں طبقاتی کشمکش، استحصال اور ظلم واستبداد کے خلاف غم و غصے کا ظہار اور کہیں کہیں تعبرت اور حقارت کی گونج بھی سنائی دیتی ہے جب کہ آخر الذکر چار افسانوں میں عورت کے کر دار کو نمایاں کیا گیا ہے اور آزادی نسواں کی اہمیت کو اجا کر کیا گیا ہے۔

" نجات" اس دور کی بلاشہ ایک قابل توجہ کہانی ہے جس میں ہندوستانی سماج کی طبقاتی گئمکش کو موضوع بنایا گیاہے۔ پر یم چند نے اس افسانے میں اعلیٰ اور ادنیٰ طبقے کے دو نمائندہ کر داروں دکمی (چمار) اور پنڈت کی سیرت کی بڑی ہاہرانہ تصویر کئی کی ہے۔ دکمی نیج ذات یاادنیٰ طبقے کا نمائندہ ہے۔ جب اس کی معاشی ا برتی اور اون نیج کے بھید بھاؤ کے ساتھ ابھارا گیاہے۔ ایک طرف وہ محنت و مشقت کا عادی ہے تو دوسری طرف فرماں برداری اور بے زبانی کا مجممہ بھی ہے۔ پنڈت کے حکم بروہ بھوکے پیٹ ایسے کام کرنے پر مجبور ہواس کے بس کے نہیں ساس کی عاجری بروہ بھوک اور العار گی کاظہار تک کرنے نہیں دیتی نہ اپن بیٹی کی شادی کی مہورت نگوانے کے لیے وہ پنڈت کے گر آیا تھا لیکن پنڈت کے حاکمانہ رویے سے مہورت نگوانے کے لیے وہ پنڈت کے گر آیا تھا لیکن پنڈت کے حاکمانہ رویے سے مہورت نگوانے کے لیے وہ پنڈت کے گر آیا تھا لیکن پنڈت کے حاکمانہ رویے سے مہورت نگوانے کے لیے وہ پنڈت کے گونت کر تا ہے اور آخرکار اپن جان سے بھی ہا تھ

پنڈت تی کا کروار اعلیٰ ذات ، مذہبی تقدس اور مذہبی اجارہ داری کی علامت
کے طور پر پیش کیا گیاہے۔ پنڈت کے ظلم اور غیر انسانی رویہ کے خلاف کوئی آواز
نہیں اٹھاسکا۔ ایک گونڈ چماروں کو دھمکاتا ہے کہ دکھی کی لاش کوئی نہ اٹھائے ،
پولسیں چناے کوآئے گی۔ لیکن وہ مجماتی جمات نہیں رکھتا کہ پنڈت کے روبرواس
کے جرم کے خلاف کچھ کہہ سکے۔ پنڈت پوجاپاٹ کر کے عقیدت مندوں سے نذرانہ
وصول کرتا ہے۔ چماریا نیج ذات کے لوگ اس کے لیے جانوروں سے بھی کم تر ورجہ
وسول کرتا ہے۔ چماریا نیج ذات کے لوگ اس کے لیے جانوروں سے بھی کم تر ورجہ

خیال کرنا گناہ مجھتا ہے۔ جب دکھی کی لاش سے بدبو کھیلنے لگتی ہے تو" بنڈت نے ایک رسی ڈالا اور پھندے کو کھینچ کر کس ایک رسی ڈالا اور پھندے کو کھینچ کر کس دیا ۔ ابھی کچھ کچھ اند حیرا تھا۔ پنڈت نے رسی بکر کر لاش کو گھیٹنا شروع کیا اور گھسیسٹ کر گاؤں سے باہر لے گئے ... اوحرد کھی کی لاش کو کھیت میں گید ڑ، گدھ اور کو سے نوج رہے تھے ۔ یہی اس کی جمام زندگی کی بھکتی، خدمت اور اعتقاد کا انعام تھا " کوے نوج رہے تھے ۔ یہی اس کی جمام زندگی کی بھکتی، خدمت اور اعتقاد کا انعام تھا " (۱۳) ۔

پریم چند عام قہم اور بول چال کی زبان میں لکھتے ہیں ۔ان کی تحریروں میں نے عربی اور فارسی کے الفاظ کی فراوانی ہے اور نہ سنسکرت کے غیر مانوس الفاظ کا عمل دخل ۔ان کے طرز نگارش میں مجمی سادگی، روانی، بے تکلنی اور واقعہ نگاری کی شان نظر آتی ہے ۔ بہ قول ڈاکٹر قمر رئیس " فکر واظہار کا یہی وہ سادہ اور حقیقت پسندانہ اسلوب ہے جوار دوافسانہ میں پریم کی روایت کے تحفظ اور تسلسل کی شاخت بن گیا ۔ "(۱۵) ۔

حواشي:

- (1) أُوْاكِرْ قَمِر رئيس بريم پيند فكر وفن -ص ١٧-١٤-
- (۲) قاکر قمرر تمیں بریم چند کے نمائندہ افسانے ۔ ص ۱۳ -
- (۳) مانک مللا کی تحقیق کے مطابق " روتھی رانی " زمانہ (کانپور) میں اپریل مئی (مشترکہ شمارہ) اور اگست ۱۹۰۶ء میں وو قسطوں میں شائع ہوئی تھی - بہ حوالہ پریم چند اور تصانیف پریم چند - ص ۱۵۰
 - (۵) ايضاً
 - ر ۲) ... به حواله ار د د افسانه روایت اور مسائل مرتبه ژاکژگویی چند نارنگ ـ م س ۱۳۸ ـ (۲)
 - (٤) الفياً
 - (٨) ﴿ وَاكْرُ قَمْرِر نَكِينِ بِرِيمَ چِند فَكَرُ و فَن ص ٨ ٨٨ -
 - (٩) مانك مالا بريم چند كچه نيخ مباحث ص ١٣-

- (١٠) سبه حواله بريم چند فكر و فن -ص ٢٠ ١١ -
- (۱۱) پریم چند کے منتخب افسانے از ڈاکٹر قمرر نمیں ۔ ص ۱۰۰۔
- (۱۲) مقالات بوم بريم چتر "افساند نگار پريم چند " اتر برديش ار دو اکميژي لکھنو م ١٥-

0 0 0

- (۱۳) مانک مالا پریم چند کچه نئے مباحث ۔ ص ۱۳۷ ۔
- (۱۳) و اکثر قمرر کنیں ۔ بریم چند کے نمائند وافسانے ۔ ص ۱۳۲۔
 - (١٥) الضاَّ ص ٣٢_

علی گڑھ تحریک

۱۸۵۷ کا سال ہندوستان کی تاریخ میں ، سیاسی ، سماجی اور ادبی نقطہ نظر سے ایک انقلابی موڑ کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اس سال ہندوستانیوں نے انگرینوں کی غلامی سے چینکارا حاصل کرنے کی ایک عظیم الشان کو شش کی بھی جو ماکام رہی ۔ اس سال ہندوستان میر غیر ملکی حکومت مسلط ہو گئ اور بچر اس تسلط کے زیرافر ملک میں کئ سماجی ، معاشرتی اور ادبی انقلابات رو نما ہوئے ۔ مغربی علوم و فیون اور خصوصاً انگریزی زبان کی وساطت سے ہندوستانی شاعروں اور ادبوں فیون اور خیالات میں گرائی اور گرائی بیدا ہوئی ۔

سترھویں صدی سے انگریز تجارت کی غرض سے ہندوستان میں وار دہونے
لگے تھے۔ لیکن اٹھارویں صدی کے اختتام حک دہ طک کے کچھ حصوں کے حکمران

بن گئے ۔ اور انعیویں صدی کے رکج دوم میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکل میں ، ان
کا اقتدار ہندوستان کے ایک بہت بڑے حصے پر قائم ہو گیا۔ بقول اختشام حسین:
" کچ یہ ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نظیروں کی ایک تنظیم تھی جس نے
لینے ایک صدی کے مجربانہ عہد ِ اقتدار میں ملک کو اتھی طرح
لونا۔ اگر بالواسطہ اس سے کچھ فائدہ بھی چہنچ گیا اور کسی طرح کے
نئے شعور کا ظہور بھی ہوا تو اس کے تاریخی اسباب تھے۔ جن سے

انگریزوں کے لیے " پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو " کی حکمت عملی بے حد کارگر ثابت ہوئی ۔ اس پالیس کے تحت انھوں نے ہندوستان کے مختلف طبقوں خصوصاً ہندوستان اور مسلمانوں کے در میان ، حب الوطنی ، بھائی چارگی اور قوم پرستی کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کی موٹر کوشش کی ۔ جس کی ذجہ سے ہندوستان میں بسنے والے مختلف طبقے آپس میں برسر پیکار رہنے لگے ۔ مغلبے سلطنت کو گہن لگنے کے بعد

ر و گر دان نہیں ہوا جاسکتا تھا ۔ " (۱)

وہ روز بہ روز روب زوال ہونے گی ۔ ملک کے مختف صوبے کیے بعد دیگرے خود مختار ہونے گئے ۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے میں انگریندوں نے کوئی کمر نہیں چھوڑی اور مرزمین ہند پر لینے قدم مصبوطی سے جمادیتے ۔

١٨٥٤ کي جدوجهد آزادي کي ناکامي کے کئي اسباب تھے ۔ اول تو يه که ہندوسانیوں میں مذتو کوئی سطیم اور باقاعد گی تھی اور مذی اس بغاوت کے سیکھیے کوئی سوچا مجھا منصوب ہی تھا۔ دوسرے یہ کہ مادی نقطہ، نظرے ، انگریذوں کے مقاطب میں ہندوسانیوں میں عشر عشیر طاقت بھی نہیں تھی ۔ اس طرح مندوستان کی پہلی جهدو جهد آزادی کو ناکامی کا منه دیکھنا پڑا ۔ اگر چهُ مندوستان کے سارے طبقات نے ملکر اس بغاوت میں حصہ لیا تھا لیکن ہر حیثیت مجموعی مسلمانوں نے انگریزوں کا بے عگری کے ساتھ مقابلہ کیا تھا، اس لیے یہی طبقہ خصوصیت کے ساتھ انگریزوں کا معتوب بنا۔انگریزوں کو یہ احساس بھی تھا کہ انھوں نے حکومت بہر حال مسلمانوں سے چھین لی ہے اور اس طبقے کو یوری طرح کیل کر وہ ہندوستان پر اپنے قدم مصبوطی سے گاڑ سکتے ہیں ۔ جنال چہ انگریزوں نے انتقامی کار، وائی کے طور پر مسلمانوں کو سرکاری ملازمت سے برطرف کیا ۔ ان کی جاگریں ، مناسب اور وظیفے بند کردیے ۔ بے شمار لوگوں کو گولیوں کا نشانه بنایا گیا ، متعدد افراد کو کالے بانی کی سزا سنائی گئی ، لاتعداد اشخاص تخته دار ير چرمائے گئے اور لا کھوں گھر اجاڑے گئے ۔ بقول سرسيد احمد خان :

ی کوئی آفت الیی نہیں تھی جو اس زمانے میں ہوئی ہو اور یہ نہ کہا گیا ہوکہ مسلمانوں نے کی، کوئی بلا آسماں پر سے نہیں چلی جس نے زمین پر بہخنے سے پہلے مسلمانوں کا گھر نہ ڈھونڈا ہو۔ جو کتابیں اس ہنگاہے کے بابت تصنیف ہوئیں ان میں بھی یہی کہا گیا کہ ہندوستان میں مفسد اور بدذات کوئی نہیں گر مسلمان! مسلمان الله مسلمان الله مسلمان الله مسلمان! مسلمان الله مسلمان! مسلمان الله مسلمان اله مسلمان الله مسلمان الله

اگا جس کی نسبت یہ نہ کہا گیا ہو کہ اس کا پیج مسلمانوں نے بویا تھا اور کوئی آتشیں بگولا نہیں اٹھا جس کے بارے میں یہ نہ کہا گیا ہو کہ مسلمانوں نے اٹھایا تھا۔ "(۲)

۱۸۵۷ء کے واقعات نے سرسید کو بے حد متاثر کیا۔ اس زمانے میں عام طور پر ہندوستانیوں اور بالنصوص مسلمانوں کو جس تبای و بربادی ہے دوچار ہوما بڑا اس کی تفصیلات سرسید نے این آنکھوں سے دیکھی تھیں۔ انھوں نے مسلمانوں پر ٹوٹ بڑنے والی اس قیامت کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ بے گناہوں کو میاہ و برباد ہوتے دیکھ کر ان کا دل تڑپ اٹھا۔ وہ ترک وطن پر آمادہ تھے لیکن قوم کے درد نے انھیں اپنے ہم وطنوں کو مصیبت میں مجھوڑ کر گوشہ۔ عافیت میں پناہ لینے سے روک دیا۔ سرسید این قوم کا کھویا ہوا وقار بحال کرنے مے لئے تادم آخر کوشاں رہے ۔ مسلمانوں کو بے قصور ثابت کرنے کے لیے انھوں نے مضامین اور کتابیں لکھیں یہاں تک کہ حکمرانوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بھی بڑھایا لیکن اس کے صلے میں قوم کی طرف سے ان پر کفر کے فتوے لگے ، قاتلاند حملے ہوئے اور غداری کی تہمت لگی (۴) ۔ لیکن اس کے باوجود سرسید نے ہمت نہیں ہاری اور بڑی پامردی اور بلند حوصلگی کے ساتھ ائی قوم کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے مسلسل کوشاں رہے اور بالآخران کی یہ سعی و کاوش مخالفتوں کے باوجود کارگر ثابت ہوئی ۔ بقول پرونسیر نورالحن نقوی * وہ قوم جس کے جانبر ہونے کے آثار نظریہ آتے تھے ، مرسید کی کو شش سے اٹھ کھڑی ہوئی اور ترقی ہے راستے ہر گامزن ہو گئ ۔ سرسید کی بیہ کو شش سرسید تحریک کہلائی اور چوں کہ اس کا مرکز علی گڑھ تھا اس لیے علی گڑھ تحریک کے نام ہے بھی یاد کی گئی ۔ ` (۴)

علی گڑھ تحریک بنیادی طور پر ایک اصلاحی تحریک تھی ۔ جس کا مقصد مسلمانوں میں پیائے جانے والے غیوب و نقائقی گؤ دُور کرئے انھیں فلاخ و بہجود کے داستے پرگامزن کر ناتھا۔ سرسید اس تحریک کی روح رواں تھے۔ وہ مسلمانوں کو عہد جدید کے تقاضوں ہے ہم آہنگ کر نا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے اپنی قوم کو فرسودہ روایات اور توہم پرستی کے رجحان ہے منقطع ہونے ' زندگی کے مادی مسائل ہے دل چپی لینے اور تجدد و تحرک کے میدان کو اپنانے کا درس دیا۔ سرسید کا عہد مسلمانوں کی پتی اور انتشار کا زمانہ تھا۔ اس دور کے مسلمانوں میں دنیا بجر کی برائیاں ، خرابیاں اور بیوب موجود تھے ۔ ان میں بے عملی اور بے حتی تھی ، جہالت تھی ، سستی اور کابلی تھی ، تعصب تھا ، خوشامد اور ظاہرداری تھی ، ریاکاری اور چاپلوسی تھی ، وہ کھانے پینے ، اٹھنے پیٹھنے کے آواب قاہرداری تھی ، ریاکاری اور چاپلوسی تھی ، وہ کھانے پینے ، اٹھنے پیٹھنے کے آواب قاور شرفا کے طرز گفتگو سے بھی بے بہرہ تھے۔ سرسید کی ان سارے مسائل پر نظر تھی ۔ اس لیے انھوں نے مسلمانوں میں جہد و عمل کی نئی روح پھونکنے کا فقید المثال کارنامہ انجام دیا۔

مرسید نے انگریزوں کو قریب سے دیکھا تھا۔ انگریز عہدہ داروں کے ساتھ انھوں نے چھوٹی بڑی متعدد خدمات پر کام کیا تھا۔ ۱۸۵۰ء کے ہنگاہے میں انسانی ہمدردی کے تحت انھوں نے بعض انگریز عہدہ داروں اور ان کے اہل خاندان کی جانیں بچاتی تھیں۔ انگریزوں کے تہذیب ہمدن ، اخلاق و معاشرت اور علوم و فون میں جو ہاتیں قابل تعریف تھیں سرسید انھیں بھی اچی طرح کھتے تھے۔ انھون میں جو ہاتیں قابل تعریف تھیں سرسید انھیں بھی اچی طرح کھتے تھے۔ انھون میں جو ہاتیں قابل تعریف تھیں سرسید انھیں بھی اچی طرح کھتے تھے۔ انھون میں جو اور منظم قوم کا مقابلہ ہندوسانیوں کے لیے سردست ممکن نہیں۔ اول قوت ور اور منظم قوم کا مقابلہ ہندوسانیوں کے لیے سردست ممکن نہیں۔ اول تو اس لیے کہ ہماری قوم نہلیت کی ماندہ اور حدورجہ غیر منظم ہے۔ دوسرے یہ تو اس لیے کہ ہماری قوم نہلیت کی ماندہ اور حدورجہ غیر منظم ہے۔ دوسرے یہ کہ مادی نقطہ نظر سے ، انگریزوں سے مقابلہ کی طاقت بھی ہندوسانیوں میں نہیں تھی ۔ اس لیے مصلحان قوم نے یہ تیجہ انھذ کیا کہ موجودہ مرحلے میں ہندوسانیوں کا انگریزوں سے مقابلہ کر نا، دیوار سے سر اکمرانے کے برابر ہے۔ اس سے بہتر یہ ہے۔ عملاً ہندوسانی اور انگریز ایک قابل عمل سیموھ ہر بہتے جائیں اور سے بہتر یہ ہے۔ عملاً ہندوسانی اور انگریز ایک قابل عمل سیمھوت پر بہتے جائیں اور سے بہتر یہ ہے۔ عملاً ہندوسانی اور انگریز ایک قابل عمل سیمھوت پر بہتے جائیں اور

ہندوستانی مسلمان نوجوانوں کو مغربی زبان و ادب اور علوم و فنون سے فیض بہنچانے کی غرض سے سرسید نے انگستان کا سفر بھی کیا تھا۔ اس سفرکا مقصد ایک طرف مسلمانوں کے لیے ایک ایسا تعلی منصوبہ پیش کرنا تھا جس کے سہارے مسلمانوں کی نئی نسل متدن دنیا میں اپنا موثر حصہ ادا کرسکے اور دوسری طرف ایک ایسی یونیورسٹی کے خواب کو عملی جامہ پہنانا تھا جس میں مسلمان نوجوانوں کو مغربی زبان و ادب اور علوم و فنون کی تعلیم بھی دی جائے اور اس کے پہلو بہلو مشرتی تہذیب یا اسلامی جمدن کی بنیادی خوبیاں بھی ان کی سیرت میں برقرار رہیں۔ سفر انگستان سے والی کے بعد سرسید نے مدرست کی سیرت میں برقرار رہیں۔ سفر انگستان سے والی کے بعد سرسید نے مدرست مرف اسکول کی جماعتوں تک محدود تھا اور پھر بعد کو یہاں کالج کی سطح پر تعلیم کا صرف اسکول کی جماعتوں تک محدود تھا اور پھر بعد کو یہاں کالج کی سطح پر تعلیم کا بھی انظام کیا گیا۔ سرسید کے انتقال کے بعد اس کالج نے ایک مستقل یونیورسٹ کی شکل اختیار کر لی اور آج بھی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے مشہور ہے کی شکل اختیار کر لی اور آج بھی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے مشہور ہے کی شکل اختیار کر لی اور آج بھی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے مشہور ہے کی شکل اختیار کر لی اور آج بھی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے مشہور ہے کی شکل اختیار کر لی اور آج بھی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے مشہور ہے

اردو زبان و ادب کو مغربی شعرو ادب سے فیصنیاب کرنے کے سلسلہ میں علی گڑھ تحریک نے باقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ سرسید احمد خال اور ان کے نامور رفقا الطاف حسین حالی ، نذیر احمد، شبلی نعمانی ، وقار الملک ، محن الملک ، محمد حسین آزاد ، چراغ علی اس تحریک کے مماز اراکین تھے۔ بعد کو اس عظیم الشان تحریک سے وابستہ ہونے والے شعرااور ادبوں میں وحید الدین سلیم نواب عماد الملک ، عبدالحلیم شرد ، نواب صدریار جتگ ، ڈاکٹر ضیاء الدین ، آفتاب احمد خال ، مولوی عبدالحقیم ، طفیل احمد ، ظفر علی خال ، سجاد حیدریلدرم ، عزیز مرزا عنایت الله ، حسرت موہانی ، رشید احمد صدیقی ، عبدالماجد وریابادی ، ڈاکٹر خسین ، غلام السیدین ، ڈاکٹر قسین ، پرفسیر محمد مجیب وغیرہ کے عام قابل خسین ، غلام السیدین ، ڈاکٹر قسین ، پرفسیر محمد مجیب وغیرہ کے عام قابل ، کر مدر د

مرسد تحریک کی نمایان خصوصیات مندرج ذیل ہیں:

فورٹ ولیم کالج کی کوششوں اور غالب کے مکانیب کی مقبولیت کے باوجود اردو نثر ابھی تک فارسی زبان سے غیر معمولی متاثر تھی۔ عام بول چال کی زبان تحریر میں استعمال نہیں ہوتی تھی ۔انگریزی زبان و ادب کے زیر اثر سرسید اور ان کے رفقاء نے عام بول چال کی زبان کو تحریر میں استعمال کرنے کی تحریک علائی ۔ اس تحریک کا مقصد عبارت آرائی ہے گریز کرتے ہوئے خیال کو عام فہم لیکن موثر انداز میں پیش کرنا تھا۔ دوسرے الفاظ میں خیال کو بنیادی اہمیت دی گئ اور زبان کی خوبیوں کو ثانوی ۔ سرسید بنیادی طور پر ایک سماجی معلے تھے ۔ اس مقصد کی تبلیغ و تلقین کے لیے فطری طور پر انحوں نے اپن تحريرون اور تقريرون مين اردو زبان كا استعمال كيا اور اس طرح اردو زبان بالواستہ طریقے پر سرسید کی عظیم سماجی تحریک سے وابستہ ہو گئ ۔ چوں کہ سرسید کا اسلوب براثر تھا اس لیے نہ صرف ان کے ہم نوا بلکہ مخالفین بھی جو ان کی مخالفت میں اخبار اور رسالے نکالے تھے ، مادانستہ طور پر مرسید کی زبان اور ان مے اسلوب کی پیروی کرتے تھے ۔ اس طرح سماجی انقلاب کی اس جدو جہد میں ار دو نثر کا ساده اور موثر اسلوب خو دبخود اردو لکھنے والوں میں رواج پا گیا۔ ڈا کٹر سيد عبدالله نے بالكل درست لكھا ہے:

"سرسيد اور انكى جماعت ك لوگوں في اردو كو جو على استبار سے اس وقت تك الك به مايد زبان تھى تھوڑے عرصے ميں اعلىٰ على جواہر ريزوں سے مالا مال كر ديا - "(۵)

متعدد اصناف ادب انگریزی زبان و ادب کے زیر اثر اردو میں رائج ہوئے۔ سرسید نے انگریزی کے مشہور ادیبوں ایڈیین اور اسٹیل کی تقلید میں اپنے رسالے " تہذیب الاخلاق ؟ میں مختلف سماتی ، اخلاقی ، علی ، دین اور ساس مسائل پرخود بھی مضامین لکھے اور اپنے رفقا۔ سے بھی لکھوائے ۔اس طرح مختصر

مضمون (Essay) اور انشلسيّه (Light Essay) کي صنف ار دو ميں رواج یانے گئی۔ان مضامین کی خصوصیت یہ تھی کہ ان میں ایک طرف سائنٹفک انداز اور عقلیت پرستی پر زور دیاجا تا تحااور دوسری طرن غیر ضروری لغاظی اور عبارت آرائی سے گریز کیا جاتا تھا۔اسلوب کی سادگی اور تاثر کی فراوانی اس تحریک کی بنیادی خصومیت تمی ۔غرض علی گڑھ تحریک ایک مظیم الشان اصلای ،علمی اور ادبی تحریک تھی جس کے بڑے دور رس اور دیریا نتائج سلصنے آئے ۔ بقول پروفسیر نور الحن نقوی مماری زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو سرسید اور علی کڑھ تحریک کے احسان ہے گراں بار نہ ہو۔اس تحریک نے بے مملوں کو جہد و عمل کا درس دیا۔ مامنی کے یرستاروں کو حال کی اہمیت سے آشنا کیا۔ تنگ نظروں کو وسعت نظر سکھلائی ۔ بزر گوں کے کارناموں پر فخر کرنے والوں کو ای ذات میں خوبیاں پیدا کرنے پر آمادہ كيا، مشرق كى بجاريوں كو مغرب كے كار ناموں سے آشاكيا۔ ونيا كوب حقيقت جلنے دالوں کو دنیا میں نیکی کمانے اور آخرت کے لیے توشہ جمع کرنے کا راستہ و کھلایا۔اس عظیم الشان تحریک نے سوتوں کو جگایااور مردوں میں جان ڈالی ۔ مختصر یہ کہ سرسید اور علی گڑھ تحریک نے ہندوستانی مسلمانوں کو زندہ قوموں کی طرح زندگی گزادنے اور سربلند ہو کر چینے کا سلیتہ سکھایا۔ "(٤)

حوالے وحواشی

- (۱) پرونسیرامتطام حسین ، او دو اوب کی تنقیدی باریخ- م ۹ ۱۷-
- (۲) مرز انعلیل اتعد بیگ "ادیب " (سه مایی) -ار دو زبان و ادب کی تاریخ نمبر ۱۹۹۳ می ۱۳۰۰
 - - (۳) ایناس ۲۲۲-
- (a) سید عبدانند سرسید اتمد نهان اور انکے عامور رفعا کی اردو نیر کا فنی اور گلری جائزہ (اسلام آباد ایڈیشن) مل ۵ ۸ -
 - (٢) اييناً-س ۵-
 - (۷) لورالحن نتوی-مل گره تحریک-ادیب (سهامی) ۱۹۹۳ و م ۲۳۱-

المجمن ينجاب

انسیویں صدی کے نصف ووم کا زمانہ اردو شعر و اوب کے جدید دور کے عام سے یاد کیا جاتا ہے۔ سرسید تحریک کے زیر اثر اس دور میں اردو شاعری ، انگریزی اور دوسری مغربی زبانوں سے متاثر ہوئی ۔ ۱۸۵۰ء سے قبل اردو شعر و ادب کا سرمایہ بڑی حد تک فارسی ادب کے زیر اثر نشوو تما پاتا رہا اور ہماری شاعری کا بیشتر سرمایہ غزلوں پر مشتمل تھا ۔۔۔ یا بچر قصیدوں ، شنویوں ، مرشیوں اور رباعیوں پر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ۱۸۵۰ء سے قبل اردو میں نظم نگاری ناپید تھی ۔ محمد قلا قطب شاہ سے نظیر اکبر آبادی تک متحدد شاعروں نے ، مختلف موضوعات پر نظمیں بھی لکھی ہیں۔ نظم نگاری کے میدان میں نظیر اکبر آبادی کا نام موضوعات پر نظمیں بھی لکھی ہیں۔ نظم نگاری کے میدان میں نظیر اکبر آبادی کا نام میں میں کی چیشیت رکھتا ہے۔

جدید علوم و فنون اور مغربی شعر و ادب سے اثر پذیری کے بینج میں ، اردو میں نظم گوئی کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ سرسید تحریک کے علمبرداروں نے اردو شاعری کے دائرے کو و سیخ کرنے اور اسے نئی جہات سے آشاکر نے کے سلسلہ میں ایک ناقابل فراموش رول انجام دیا ہے۔ مرسید احمد خاں شاعری کے افادی بہلو سے بخوبی واقف تھے اور شاعری کو وہ قوم کی اصلاح کے لیے ایک آلہ کے طور پر استعمال کرنا چلہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے الطاف حسین حالی سے "مسدس مدوجزر الاسلام " جسی شاہکار نظم لکھوائی ۔ جو " مسدس حالی " کے نام سمدس مدوجزر الاسلام " جسی شاہکار نظم لکھوائی ۔ جو " مسدس حالی " کے نام دکشن اور موثر انداز میں بیان کی ہے۔ مسدس حالی کے بارے میں مرسید کہا دیا میں تونے کرتے تھے کہ قیامت کے دن جب خدا بھے سوال کرے گا کہ دنیا میں تونے کیا کارنامہ انجام دیا ہے تو میں جواب دوں گا کہ حالی سے مسدس ککھوالیا ہوں۔ کیا کارنامہ انجام دیا ہے تو میں جواب دوں گا کہ حالی سے مسدس ککھوالیا ہوں۔ یہ نظم حالی نے ۱۸۵ء کیا سکول میں مدرس

تھے ۔ لیکن ار دو میں جدید ار دو شاعری کی داغ بیل محمد حسین آزاد نے "مسدس حالی" کی تخلیق سے کوئی پانچ سال پہلے " انجمن پنجاب " لاہور میں ڈال حکی تھے ۔ جدید ار دو شاعری کے آغاز اور نشوو نما کے سلسلہ میں انجمن پنجاب کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے ۔ ار دو کے صاحب طرز ادیب اور با کمال شاعر محمد حسین آزاد ، انجمن پنجاب کی روح رواں تھے ۔ انہوں نے اس انجمن کے بلیث فارم کے ذریعے اہل علم حضرات کو جدید شاعری کی اہمیت اور افادیت سے آشا کار نے کی کامیاب تحریک حلائی اور جدید طرز کے مشاعروں کی بنیاد رکھی ۔

آزاد محمد باقر کے فرزند اور دہلی کالج کے فارغ التحصیل تھے ۔ انھوں نے اسلام مثل محمد باقر کے فرزند اور دہلی کالج کے فارغ التحصیل تھے ۔ انھوں نے اسلام مثل محمد ابراہیم ذوق سے شاعری کے رموز و آداب سکھے تھے ۔ ۱۸۵۷ء کے واقعہ کے بعد جب ان کے والد کو سزا ہے موت سنائی گئ تو آزاد نے دہلی سے ترک وطن کر کے لاہور میں پتاہ لی ۔

دبلی کالج کا شیرازہ بھرنے کے بعد یہ کالج لاہور منتقل ہوا اور گور نمنٹ

کے حوالے کر دیا گیا۔ جس کی وجہ سے لاہور علم و ادب اور شعرو محن کی مرکز بن گیا۔ آزاد کے علاوہ دبلی سے لاہور بہنجنے والے مرکز بن گیا۔ آزاد کے علاوہ دبلی سے لاہور بہنجنے والے ادیبوں اور شاعروں میں مولوی کر ہم الدین احمد ، پنڈت من چھول ، مولوی سید ادیبوں اور شاعروں میں مولوی کر ہم الدین احمد ، پنڈت من چھول ، مولوی سید احمد دہلوی ، پیارے لعل آشوب ورگا پرشاد نادر اور الطاف حسین حالی جسے اہل ، علم شامل تھے۔

ا بخمن بنجاب کے کے سرپرست اور محرک کرنل ہال رائیڈ تھے لیکن اس ابخمن بنجاب کے کے سرپرست اور محرک کرنل ہال رائیڈ تھے لیکن اس ابخمن کے منصوبوں کو عملی جامہ بہنانے کا سہرا لاہور گور نمنٹ کالج کے بہلے پرنسپل ڈاکٹر لائیٹر کے سر ہے ۔ وہ ایک باصلاحیت اور اولوالعرم وانشور تھے ۔ بقول ڈاکٹر انور سدید " ڈاکٹر لائیٹر کو نہ صرف علوم مشرقی کی بقا اور اجیا ہے ولچپی تقول ڈاکٹر انور سدید " محمل کے مطابق تھی بلکہ انھیں یہ بھی احساس تھا کہ لارڈ میکالے کی حکمت عملی کے مطابق انگریزی زبان کے ذریعے علوم سکھانے کا طریق عملی مشکلات سے ووجار تھا جنال انگریزی زبان کے ذریعے علوم سکھانے کا طریق عملی مشکلات سے ووجار تھا جنال

چہ انہوں نے اس خطے کی تعلیم اور معاشرتی اصلاح کا عہد کرلیا اور انجمن اشاعت مطالب مفیدہ بنجاب " مطالب مفیدہ بنجاب کی داغ بیل ڈالی " (۱) ۔۔ بہی انجمن بعد میں " انجمن بنجاب " کے نام سے مشہور ہوئی ۔ جس کے مندر جہ ذیل اغراض و مقاصد تھے:

قدیم مشرتی علوم کا احیا

۲ سه صنعت و تجارت کا فروغ

سر باشدگان ملک میں دلیی زبان کے ذرایع علوم مفیدہ کی اشاعت

۳- علمی و ادبی ، معاشرتی اور سیاسی مسائل پر بحث

۵ صوبے کے بارسوخ اہل علم طبقات اور افسران حکومت میں رابطہ

ہ۔ پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے خطوں کے سابھ روابط اور تعلقات

کی استواری (۲) –

مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کے لیے نہ صرف یہ کہ مدرسے اور کتب خانوں کے میام کی تجدیز رکھی گئ بلکہ مختلف سملتی ، اوبی اور تہذیبی موضوعات پر بحث و مبلحظ کے لیے جلے کی منعقد کرنے کا بھی منعوبہ بنایا گیا۔ انجمن بہنچانے کی غرض سے رسائل جاری کرنے کا بیڑہ اٹھایا گیا۔ انجمن بہنچانے کی غرض سے رسائل جاری کرنے کا بیڑہ اٹھایا گیا۔ انجمن بہنجاب کے ابتدائی جلسوں میں مضامین و مقالات پڑھنے والوں میں مولوی محمد حسین آزاد ، ڈاکٹر لائیٹر ، پنڈت من پھول ، پروفسیر علمدار حسین ، بابو چندر ناتھ بابو نو بین چندر رائے اور مولوی عزیز الدین کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے بیشتر اہل قلم کے مضامین رسالہ ، انجمن بنجاب میں شائع ہوئے ۔ ان بعلسوں میں بیشتر اہل قلم کے مضامین رسالہ ، انجمن بنجاب میں شائع ہوئے ۔ اس لیے ڈاکٹر بیشتر اہل قلم کے مضامین سب سے زیادہ پہند کیے گئے ۔ اس لیے ڈاکٹر مشور کرنے کی تجھنے پیش کی جو کہنے نازاد کو مستقل گئےر مقرر کرنے کی تجھنے پیش کی جو مشاور کرلی گئی۔ گئےر کی حیثیت دے واکٹر انور مشور کرنے کی خیثیت دے دی ۔ ڈاکٹر انور کہن بنجاب کو ایک فعال اور کار کرد ادارے کی حیثیت دے دی ۔ ڈاکٹر انور ککسی سے کہن بنجاب کو ایک فعال اور کار کرد ادارے کی حیثیت دے دی ۔ ڈاکٹر انور

"اس عہدے پر محمد حسین آزاد کی تعنیاتی نے الجمن بنجاب کی تحریک کو نئی توانائی دی ۔ انھوں نے اس حیثیت میں اتنی عمدہ خدمات سر انجام دیں کہ ڈاکٹر لائٹر آہستہ آہستہ انتظامی امور کے پس منظر میں او بھل ہوتے گئے ۔ اور ادبی پیش منظر میں محمد حسین آزاد بتدر تج نمایاں ہونے گئے ۔ آزاد نے ایک اختراع یہ کی کہ جلسہ، عام کے اختتام پر روایتی مشاعرے کا اضافہ کر دیا اور یوں الجمن پنجاب کے مقاصد کے فروغ کے لیے اس میں عوامی دل جبی کا سامان بھی فراہم کر دیا ۔" (۳)

الجمن پنجاب نے جہاں ایک طرف اپنے جلسوں میں پیش کیے جانے والے مقالات و مضامین پر بحث و تبھرے کے ذریعے ار دو میں تنقید نگاری کے لیے فضا ہموار کر دی تو دوسری طرف نئ طرز کے مشاعروں کی طرح ڈال کر ار دو میں نظم نگاری ی باضابطہ تحریک حلائی ۔ الجمن کے جلسوں میں " اردو کی نشوو نما اور اصلیت "، " شمس ولی الله " اور " شاہ حاتم " کے زیرِ عنوان آزاد کے مضامین مبلحثے کے لیے پیش کیے گئے تھے ۔ یہ مضامین اردو میں جدید ستقید کی روایت کے نقطہ ۔ آغاز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان جلسوں میں پڑھے جانے والے مضامین پرشرکائے محفل کو علمی و ادبی نکات پر اظہار رائے کا موقع دیا جاتا تھا۔ اس طرح الجمن پنجاب ہی ہے تجلني تتقيد كا بهي آغاز بوا ، جب كا تسلسل اور ارتقاء ببيوين صدى مين وطلقه ار باب ِ دوق " اور ترتی پیند تحریک کی اد بی محفلوں میں نظر آتا ہے ۔ اجمُن پنجاب کا سب سے اہم کارنامہ ار دو میں جدید طرز کے مشاعروں کی ترویج و اشاعت ہے ۔ ان مشاعروں میں آزاد کے دوش بدوش حالی نے بھی مذ صرف یہ کیے شاعروں کی ر ہمنائی اور ہمت افزائی کی بلکہ خود بھی عملی طور پر مختلف موضوعات پر بردی ول کش اور موثر نظمیں لکھیں۔ حالی کو اس بات کا علم تھا کہ آزاد کے ذہن میں ، ا کیب عرصے سے جدید طرز کی شاعری کو فروغ دینے کا خیال کار فرما تھا ہجتاں چہ وہ

لکھتے ہیں:

" لاہور میں کرنیل ہال رائڈ ڈا کر آف ببلک انسٹر کشن پنجاب کے لکا ہے مولوی محمد حسین آزاد نے لیت پرانے ارادے کو پوار کیا بعنی ۱۸۷۳ء میں ایک مشاعرے کی بنیاد ڈالی ہجو ہندوستان میں اپنی نوعیت کے لحاظ ہے بالکل نیا تھا اور جس میں بجائے مقرع طرح کے کہی موضوع کا عنوان شاعروں کو دیا جاتا تھا تاکہ اس مضمون پر لینے خیالات جس طرح جاہیں نظم میں ظاہر کر دیں ، میں نے بھی ای زمانے میں چار مشنویاں ایک برسات پر دوسری میں جب وطن پر لکھیں ۔ " میں بر ، تعیری رحم و انصاف پر اور چوتھی حب وطن پر لکھیں ۔ "

ڈاکٹر انور سدید کے بیان کے مطابق ۔ اردو شاعری کی اصلاح کا خیال آزاد کے ذہن میں اگست ۱۸۲۸ء میں پیدا ہوا۔ لیکن اردو شاعری کی تحریک کا واضح تصور اس وقت سلمنے آیا جب انھوں نے ۱/ می ۱۸۲۲ء کو نیچر کی شاعری پر ایک مدلل تقریر کی تھی اور اردو شاعری کی قباحتوں کو، تفصیل سے آشکار کردیا (۵)۔ آزاد نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ:

"اے گلتن فصاحت کے باغبانو! فصاحت اے نہیں کہتے کہ مبالغ اور بلند پروازی کے بازووں سے اڑے ۔ تافیوں کے پروں سے فرفر کرتے گئے ۔ لفاظی اور شوکت الفاظ کے زور سے آسمان پر چڑھتے گئے اور استعاروں کی تہہ میں ڈوب کر غائب ہوگئے۔ فصاحت کے معنیٰ یہ ہیں کہ خوشی یا غم ، کمی شے پر قبریا رغبت یااس سے نفرت ، کمی شئے سے خوف مطر کمی شئے پر قبریا غصب ، غرض جو خیال ہمارے ول میں ہواس کے بیان سے وہی اثر، وہی حذب، وی جوش سننے والوں کے دلوں پر چھاجائے ۔ جو

اصل کے مشاہدے سے ہوتا ہے ۔ بے شک مبالغ کا زور ، تشک مبالغ کا زور ، تشبیہہ و استعارے کا نمک ، زبان میں لطف اور ایک طرح کی تشیر پیدا کرتا ہے ۔ لیکن نمک اتنا ہی چاہئے کہ جتنا نمک نہ کہ تام کھانا نمک ۔۔۔۔"(۱)

حالی اور آزاد نے محسوس کیا کہ زندگی کے بے شمار مظاہر اور مسائل الیے ہیں جنھیں شاعری کا موضوع بنایا جاسکتا ہے ۔ ہماری شاعری کی قدیم روایات شاعروں کو نئ راہوں پر چلنے سے رو کتی ہیں۔ قدیم طرز کے مشاعروں میں عموماً کوئی طرحی مصرع دیا جاتا تھا۔ جس پر تمام شاعروں کو مخصوص قافیہ و ردیق اور بجر کی یا بندی کرتے ہوئے غزلیں لکھنی ہوتیں۔ اس سے برخلاف الجمن پنجاب کے مشاعروں میں کوئی موضوع تجدیز کیا جانے نگا ۔ جس پر تمام شاعروں کو تظمیں کہی ہوتی تھیں۔اس طرح انگریزی شاعری کے زیر اثر ار دو میں نظم کوئی کا آغاز ہوا۔ آغا محمد نباقر کی شحقیق کے مطابق الجمن پنجاب میں جدید طرز کے دس مشاعرے منعقد ہوئے ۔ مشاعروں کے آغاز سے پہلے ۹/ ایریل ۱۸۲۴، کو ہونے والے جلے میں آزاد نے نئی شاعری کے امکانات کے موضوع پر ایک عالمانہ مضمون بڑھا اور "شب ِ تدر " کے عنوان سے این ایک نظم بھی سنائی ۔ آزاد کا مضمون اور نظم بے حد بسند کی گئی جناں چہ جلسہ کے اختتام پر کر نل ہال رائڈ نے کہا کہ " اس وقت مولوی محمد حسین آزاد نے جو مضمون پڑھا اور رات کی حالت پر جو اشعار سنائے وہ بہت قابل تعریف ہیں ۔ یہ نظم ایک عمدہ منونہ ہے اس طرز کا بحس کا رواج مطلوب ہے ۔ " (٤) الجمن پنجاب کا پہلا مشاعرہ ١٠٠٠ مي ۱۸۷۴ مرکو " برسات " کے موضوع پر منعقد ہوا۔ دوسرا مشاعرہ ۳۰/ جون ۱۸۷۳. کو ہوا جس کاموضوع " زمستان " تھااس مناظمے میں شریک ہونے والے چند مشہور شعرا کے نام یہ ہیں ۔ محمد حسین آزاد ، انور حسین ہما ، مرزا انترف بلک خال اشرف دبلوی ، مولوی تادر بخش ، الهیٰ بخش رفیق ، اموجان ولی دبلوی شاگر د غالب ، مولوی مقرب علی رئیس ، مولوی عطا الله خال عطا این طرح دیگر آگ مشاعرے علی الترتیب " امید " ، " حب وطن " ، " امن " ، " انصاف " ، " مروت " ، " تناعت " ، " تہذیب " اور " اخلاق " کے زیر عنوان منعقد ہوئے – روز بروز شاعروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور مشاعروں کی شہرت ہندوستان بجرمیں پھیل گئ ۔

اخبار و رسائل میں ان مشاعروں کی تعریف میں بہت کچھ لکھا گیا اور ابخن پنجاب کی تقلید میں میر کھ میں " دیلی لئرری سوسائٹی " اور دیلی میں " دیلی لئرری سوسائٹی " کے نام سے ابخمنیں تشکیل دی گئیں - جہاں بالترسیب " امید کے موضوع پر سید محمد مرتصلی بیان اور مولوی سف الحق ادیب نے " برسات " کے عنوان سے منظومات پیش کیں - یہ دونوں موضوعات ابنجن پنجاب کے مشاعروں کے ابتدائی موضوعات سے ماخوذ ہیں - بقول روشن اختر کاظی:

" آزاد کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی کو مشتوں سے اردو شاعری کو حیات نو بخشی اور وہ شاعری جو کہ فرسودہ اور از کار فیات کچھی جاتی تھی اس کے جسد مردہ میں نئی روح پھونک دی ۔ آزاد نے شاعری کی اہمیت ، اس کی ترویج د ترتی ، اصلاح و ترمیم کی طرف بالغ نظر حصرات کو متوجہ کرنے کی ہرممکن کو شش کی "(۸)

آزاد کی نظموں کا مجموعہ (بحموعہ، نظم آزاد) جدید اردو شاعری کے ابتدائی اور مثالی مخوف کے مختلف کی رنگار نگی اور سنوع مخوف کی حیثیت رکھنا ہے ، جس میں موضوعات و مضامین کی رنگار نگی اور سنوع بھی ہے اور شاعرانہ فن کاری کے سبب بھی اس کی اہمیت مسلم ہے ۔ جند شعر ملاحظہ ہوں۔

آ اے شب سیاہ کہ لیلائے شب ہے تو عالم میں شاہزادی ِ مشکیں نسب ہے تو آمد کی تیری شان تو زیب رقم کروں

پر اتنی روشائی کہاں سے بہم کروں

ہونا وہ بعد شام شفق میں عیاں ترا

اڑنا وہ آبنوس کا تخت رواں ترا

چکے گا لشکر اب جو ترا آسمان پر

فرماں نشان میں بھی اڑے گا جہان پر

تا صح ہووے کار گہہ روز گار بند

آرام حکم عام ہو اور کاروبار بند (۹)

اس میں شک نہیں کہ انجمن پنجاب کی روح رواں محمد حسین آزاد تھے

اور انھوں نے اپنی نظموں ، تحریروں اور تقریروں کے ذریعے جدید طرز کے

مشاعروں کی حملیت میں غیر معمولی خدمات انجام دیں لیکن جدید شاعری کی تحریک

کو مہمیز لگانے اور نئی نسل کو جدید اردد شاعری کی طرف راغب کرنے کا مہرا

الطاف حسین حالی کے سرہے ۔

حالی پانی پت کے ایک غریب اور قدامت پسند خاندان میں پیدا ہوئے ۔
تعلیم حاصل کرنے کے شوق میں دہلی بہنچ ۔ نوجوانی کا زمانہ نواب مصطفیٰ خان
شیفتہ اور مرزا غالب کی صحبت میں گزرا ۔ ۱۸۵۴ء کے دل ہلادینے والے واقعات
کو انھوں نے اپن آنکھوں سے دیکھا تھا۔ وہ ایک صاحب فکر انسان اور در د مند
دل کے مالک تھے ۔ سرسید احمد خان کی محبت نے ان کے جوہر کو چھکایا ۔ ابتداً
انھوں نے شیفتہ ، غالب اور مومن کے زیر اثر قد یم طرز کی غزلیں لکھیں۔ ب
حیثیت غزل کو حالی کا مقام نہایت بلند ہے ۔ اگر وہ جدید ار دو شاعری کے بانی نہ
ہوتے تو ان کی غزلیں ہی ار دو شاعری میں ان کا نام باتی رکھنے کے لیے کانی تھیں۔
انگریزی شاعری کے زیر اثر ار دو شاغری کو انقلابی تبدیلیوں سے روشتاس
انگریزی شاعری کے زیر اثر ار دو شاغری کو انقلابی تبدیلیوں سے دوشتاس

نے نظریے کی مدلل اور عالمانہ انداز میں تشریح اور تلقین کی ۔ وہ ایک طرف الجمن پنجاب کے مقبول شاع تھے تو دوسری طرف ان کا " مقدمہ شعر و شاعری " جدید ار دو شاعری کے اعلان نامے (Menifesto) کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس تسنف میں حالی نے شاعری کا نیا نظریہ پیش کیا ہے ۔ انھوں نے زبان کے مقالع میں خیال کی اہمیت پر زور دیا ۔ لفظی اور معنوی صنعتوں کے مقاطع میں سادگی۔ بیان کو ترجح دی ۔ حالی کے نزدیک احما شعروہ ہے جس میں سادگی ، جوش اور اثر ہو ۔ بہ حثییت شاعر حالی کا ایک یادگار کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے سرسد ی فرمائش پر ایک طویل نظم مسدس مدوجزور الاسلام لکھی ۔ جانی کی اس نظم نے ہندوستان کے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے اور ان کے اجداد کے کار نامے یاد دلاکر ، ان من نیا حوصلہ پیدا کرئے کا شاندار کار نامہ انجام دیا۔ بقول یرونسیر مجتی حسین " حالی نے ہمارے سلمنے ایک آئینے رکھ دیا جس میں ہم لینے خدوخال دیکھ سکتے تھے اور جب لوگوں کو ای بگڑی ہوئی شکل نظر آئی تو بہت چراغ یا ہوئے گر " مسدس حالی " کے آئینے برگرد و غبار نہ آسکا وہ اس طرح مالات کی عکاس کر تا رہا۔ شعرا وصیرے وصیرے نظم کی طرف برصنے لگے ، سیاس شعور بڑھنے لگا۔ مغربی ادبیات کے اثرات تیزی سے کھیلنے لگے ، جمہوریت کا احساس اور معاثی انصاف کا تقاضه زور پکڑنے لگا۔ " (۱۰) مسلمانوں کی عظمت رفتہ سے متعلق " مسدس حالی " کے چند اشعار ملاحظہ کھے حن سے حالی کے کلام کی سادگی و پرکاری کا اندازه ہوتا ہے:

جہاں کو ہے یاد ان کی رفتار اب تک کہ نقش قدم ہیں نمودار اب تک ہیں سلیون میں ان کے آثار اب تک ہمالہ کو ہیں حواقعات ان کے ازیر نشاں ان کے باتی ہیں جبرالٹر پر نہیں اس طبق پر کوئی براعظم

نہ ہوں جس میں ان کی عمادات محکم
عرب ، ہند ، مقر ، اندلس ، شام ، دیلیم

بناوں سے ان کی ہے معمور عالم

سرکوہ آدم سے تاکوہ بیضا

طے گا جہاں جاؤگے کھوج ان کا (۱۱)

حالی اور آزاد کی تحریک کے زیر اثر اردو میں نظم نگاری کا رجمان نشوو نما پانے لگا اور پھر آسمان شاعری پر کیے بعد دیگرے اسمعیل میرشی ، سرور جہاں آبادی چکست ، نظم طباطبائی ، عظمت اللہ خاں جسے نظم نگار ، در خشاں ساروں کی صورت میں نمودار ہونے لگے حالی اور آزاد کی اس تحریک کا نقطہ عروج ہیویں صدی کے نصف اول میں کلام اقبال کی شکل میں سلمنے آتا ہے ۔

حواش

- (۱) ار دو ادب کی تحریکس الجمن ترقی ار دو پاکستان ۱۹۸۵ من ۳۲۹
- (۲) آغا محمد باقر- مرحوم الجمن بنواب "مقالات منتخبه اور ينثل كالج ميگزين من ۱۳۲-۱۲۳
 - (۳) د ایکرانور سدید اردو ادب کی تحریکین ص ۳۷۱ ۳۷۲
 - (۱۲) ديباچه مسدس حالي من ۱۱ -
 - (a) أَوْ اكرُ انور سديد اردو ادب كى تحريكين ص ٣٠٠
 - (١) مقالات آزاد مرتب آغامحد باقر- ص ٢٢٩
 - (٧) برج مومن و تاترب كيني منفورات مرتب كوبي چند دارنگ يس
 - (A) و اکثر وشن اختر کاهمی اردو میں طویل نظم نگاری کی روایت اور ارتقاء من ۱۳۵
 - (٩) محمد حسين آزاد نظم آزاد من ۵۳
 - (۱۰) منجتبی حسین تحریر و تقریر دور حامر اور ار دو عزل یس ۱۹۹
 - (۱۱) محواله اردو می طویل نظم نگاری کی روایت اور ارتقام ۱۹۸۳ م م ۱۹۸۰

ڈاکٹرزور کی تقاریر و خطبات

انسان کو خدانے ذہانت، تفکر، تدبر، شعور، ارادہ اور اختیار وغیرہ اوصاف سے متصف کر کے اسے اشرف المخلوقات کا درجہ عطا کیا ۔ انھیں اوصاف میں ایک امتیازی وصف قوت ناطقہ یاصلاحیت گفتار بھی ہے اور اس وجہ سے انسان کو حیوان ناطق بھی کہاجا تا ہے ۔ حیوانات و جمادات اور نباتات قوت گویائی ہے محروم ہوتے ہیں ۔ قدرت نے صرف انسانوں میں کلام کی صلاحیت و دیعت کی ہے ۔ گفتگو او تبات بیس ۔ قدرت نے عرف انسانوں میں کلام کی صلاحیت و دیعت کی ہے ۔ گفتگو او تبات بیس ۔ تقریر اور خطابت ہے جس کے اعتبار فن یہ کلام کا اونی درجہ ہے ۔ اس کا اعلیٰ درجہ تقریر اور خطابت ہے جس کے ذریعے کوئی مقریا خطیب مد صرف لین خیالات اور حذبات کا اظہار کرتا ہے بلکہ لیت زور بیان سے سامعین کے خیالات کو بدل و بیات کا اظہار کرتا ہے بلکہ لیت نور بیان سے سامعین کے خیالات کو بدل و بیات کا اظہار کرتا ہے بلکہ لیت

تقریرہ خطابت در اصل ایک فن ہے۔ہر شخص اس فن میں ماہر نہیں ہوسکتا۔
کوئی شخص پیدائشی مقرر نہیں ہو تا الستہ مشق و مزاولت کے ذریعہ اس میں کمال پیدا
کیا جاسکتا ہے ۔اساتذہ کے تعلق سے کہاجاتا ہے کہ ان کی صلاحیت کلام ویگر پیشوں
سے دابستہ افراد کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہوتی ہے۔ہراساد کسی نہ کسی درجے میں ایک مقرر ضرور ہوتا ہے اور ذراسی کو شش سے وہ انچامقرر بھی بن سکتا ہے۔اس اصول
کی روشنی میں جب ہم ڈا کر زور کی شخصیت کاجائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے
کی روشنی تیام شاگر دوں نے انھیں متعقة طور پر ایک بہترین اساد مانا ہے۔اس سے یہ
اندازہ لگانا وشوار نہیں کہ قدرت نے انھیں معاد نہ کی بہترین صلاحیت سے نوازا تھا۔
چوں کہ درس و تدریس کا پیشہ انچی تقریر میں معاد نہ کر تا ہے اس لئے ڈاکٹر زور کو
ہم ایک انچام مقرر کہہ سکتے ہیں۔
عام طور پر فن تقریر کے تین لواز مات بتائے جاتے ہیں (۱) مختلف علوم کی زیادہ شے

زیادہ معلومات (۲) زبان و بیان پر عبور اور (۳) انداز بیان ۔ ڈا کٹرزور میں فن تقریر کے بہ تینوں لوازمات بدرجہ اتم موجود تھے ۔ ان کے مطالعہ کی وسعت اور تحقیق و حدقیق کی گہرائی محتاج بیان نہیں ہے ۔ انھیں بیک وقت مختلف علوم و فنون میں شخرانہ قدرت حاصل تھی ۔ قدیم اردو ادب ۔ تاریخ ۔ تحقیق، تتقید، لسانیات، صوبیات غرض ادب کے مختلف شعبوں میں انھیں دست گاہ حاصل تھی ۔ خصوصاً دکن فربان وادب اور دکن کی تاریخ و تہذیب کی وہ چلتی بھرتی انسانگلو بیڈیا تھے ۔

تقریر و خطابت کے فن میں اندازییا ن اور لب و لہجہ کی بڑی اہمیت ہوتی ہے ۔ لب و لجبہ ی مقرر کے حذبات واحساسات کی ترجمانی کرتا ہے۔انداز بیان اور لیج میں آواز کا بڑا دخل ہو تا ہے۔پست اور منحیٰ آواز تقریر و خطابت میں نہیں جل سکتی ۔ مقرریا خطیب کے لئے بھاری اور پاٹ دار آواز ضروری ہے ۔خوش قسمتی ہے ڈاکٹر زور کو قدرت نے ایسی ہی آواز ہے نوازاتھا۔مولوی محمد اکبرالدین صدیقی کا بیان ہے کہ زور صاحب کی "آواز میں گھن گرج تھی، طنطنہ تھا، رعب تھا "(۱) س ظاہرے کہ اس گونجدار اور طنطنے والی آواز کے سہارے ڈاکٹر زور سامعین کو این تقریر میں بالدھ رکھنے کامیاب رہتے ہوں گے ۔آواز کے علاوہ مقرر کی ظاہری شخصیت، پہرو بشرہ، پوشاک اور وضع قطع بھی سامعین پر اخرانداز ہوتی ہے۔مقرر کی کامیابی اور تقریر کی اثر آفرین میں ان باتوں کا گہرا دخل ہوتا ہے۔ ڈا کٹر زور کی شخصیت نہایت مرعوب کن اور تحر انگیز تمی د یکھنے وائوں پر اس کا خاص اثر پڑتا تھا ۔ پروفسیر سید مبار زالدین ر فعت کے بہ قول "ان کے بار حب چرے ،ان کے ڈیل ڈول ، ان کی پاٹ دار آواز اور ان کے بالوں کی مخصوص تراش یہ سب چیزیں میرے لئے بہت مرعوب کن رہیں وہ بیک وقت مجھے فلسفی، شاعر، عالم اور پرونسیر نظر آر ہے تھے ۔ا کٹر حصر ات میری ہی طرح پہلی ہی ملاقات میں ان سے متاثر اور مرعوب ہوجاتے تھے (۲) ۔ ڈا کٹر سیدہ جعفر لکھتی ہیں " ڈا کٹرزور کی شخصیت بڑی بار عب، متین اور پروقار تھی ۔اعلیٰ سماجی حیثیت اور سیای اقتدار رکھنے والے لوگ بھی ان سے برابر کی سطح پر ملتے اور ان کا احترام کرتے تھے۔ان کے لیج میں بڑی گونج اور ایک خاص طرح کی گرج تھی۔جو شخص بھی ا کیب بار ان سے مل لیتا ۔وہ ان سے ضرور مرعوب ہو جاتا (۳) ۔

مقرر کے لئے خیالات کی آمد اور ذہن و گکر کی یکسوئی لازمی ہے اس کے بغیر کوئی شخص کامیاب مقرر نہیں بن سکتا۔ خیالات کی مسلسل آمد اور ذہن کی یکسوئی کی بدولات تقریر میں تسلسل اور روانی ہید ابھوتی ہے ۔ ورینہ مقرر وقفوں اور سکتوں کے در میان محوکریں کھانے لگتا ہے۔خوش قسمتی سے زور صاحب کو مبدا، فیاض نے ان دونوں خوبیوں سے سرفراز کیا تھا۔ بین علم کی فراوانی نے ان کے اندر خیالات کے دونوں خوبیوں سے سرفراز کیا تھا۔ بین علم کی فراوانی نے ان کے اندر خیالات کے لگا تار تسلسل اور ذہن کی یکسوئی نے ارتکاز فکر کی کیفیت ہیدا کی تھی جس کی وجہ سے ان کی تقریر میں بالمی اور دہن کی یکسوئی نے ارتکاز فکر کی کیفیت ہیدا کی تھی ۔ ان کی افتاد طبع ہی کچھ الیسی تھی کہ بچوم مشاغل میں بھی وہ لینے کام سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ اس طبع ہی کچھ الیسی تھی کہ بچوم مشاغل میں بھی وہ لینے کام سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ اس طبع ہی کے دور ان کسی کی دخل اندازی کے سبب وہ! نتشار ذہن میں بسکا نہیں ہوتے تھے جتاں چہ ان کے شاگر در شید محمد اکبرالدین صدیقی لکھتے ہیں:

" باتیں ہور ہی ہیں ۔ سامنے کچھ کتا بیں اور مخطوطے کھلے ہیں ۔ ہازو پانوں کا پیاکٹ و مرا ہے ایک پان نکالتے ہیں کھاتے ہیں ۔ قلم بمی چلتا ہے منہ بھی چلتا ہے ۔ زبان بھی چلتی ہے ۔ لوگوں سے بھی باتیں ہوتی ہیں اور میلی نون پر بھی اور تذکرہ اردو مخطوطات جسیں اہم کتاب لکھی جاتی ہے ان سب پر مستزاد دفتر کی مثلوں اور کر دی کھاتوں پر بھی دستخلوں کا کام جاری ہے " (۲)

زور صاحب کی ہمہ رخی اور کئیر الجت معرد فیات کے واقعات ان کے متعدد احباب اور ملامزہ نے بیان کے ہیں ۔ جن سے ان کی معنبوط قوت ار ادی ، بے پناہ ذہن توانائی اور فعال قوت لا کا اندازہ ہوتا ہے ۔ ایک کامیاب مقررکو ان تمام اوصاف سے متعمل ہونا لاز می ہے۔ ڈا کٹرزور کی سکی وقت ہمہ رخی معروفیت اور ذہن ارتکاز کے سلسلہ میں ان کے ایک اور شاکر دا حمد جلیس لکھتے ہیں:

" ۱۹۵۸ء میں چادر گھاٹ کالج کے رسالے - فکر نو حکے لئے انہوں نے الک مضمون دینے کا دعدہ کیا اور شرط یہ رکمی کہ میں لکھتا جاؤں وہ بولتے جائیں گئے ۔ امجمی انہوں نے چند سطریں لکھوائی ہوں گی کہ چرابی و فتری کاغذات اور فائلیں سلے آیا۔ زور صاحب دستخط کرنے چرابی و فتری کاغذات اور فائلیں سلے آیا۔ زور صاحب دستخط کرنے

ے تکلے فائلوں پر بھی نظر ڈلتے جاتے اور مضمون بھی لکھواتے رہے اس طرح در میان میں طلبہ اور ان کے دیگر احباب ملتے رہے جس سے مضمون کا تسلسل کی کی بار ثو مالیکن زور صاحب اطمینان سے اس طرح لکھواتے رہے - حوالے اور سنین انھیں الیے ازبر تھے کہ کسی کتاب کی مدد کے بغیرا نہوں نے تاریخی مثنوی "قصہ طالب مومن پرایک جامع مضمون لکھوادیا" (۵) -

اس اقتباس سے یہ بھی معلوم ہو تا ہے کہ سلامتی فکر اور یکسوئی فکر کے ساتھ ساتھ زور صاحب زبردست قوت حافظ کے مالک تھے جو مقرد کے بنیادی شرائیا میں سے ایک ہے۔ قوی اور موثر حافظ کے بغیر کوئی شخص انچا مقرد نہیں بن سکتا۔ قوت حافظہ در اصل قسام ازل کا گراں بہا مطیہ ہے۔ خصوصاً مقرد کے لیے یہ ہزاروں قوتوں کی ایک قوت اور ہزاروں صفتوں کی ایک صفت ہے۔ معلومات اور خیالات کے ایند هن کے بغیر تقریر کی گاڑی آگے نہیں بڑھتی ۔ زور صاحب کی توانایاد داشت اور بالیدہ قوت جافظہ کاڈ کر کرتے ہوئے حامد صدیقی لکھتے ہیں۔ "ڈا کر صاحب کا حافظہ بھی بالیدہ قوت جافظہ کاڈ کر کرتے ہوئے حامد صدیقی لکھتے ہیں۔ "ڈا کر صاحب کا حافظہ بھی الیما خصن کا ہے کہ تعیل بتیں برس کی باتیں پورے حاشیے اور بین السطور کے ساتھ ایسا خصن کا ہے کہ تعیل بتیں برس کی باتیں پورے حاشیے اور بین السطور کے ساتھ آپ کو یاد ہیں ۔ بہی وجہ ہے کہ فطری خاموشی اور مورج بچار کی قوت کے خلبہ کے باوجود جب آپ کس محفل میں کھل کر حکایات اور روایات بیان کرنے لگتے ہیں تو بین ساری محفل میں محفل میں کھل کر حکایات اور روایات بیان کرنے لگتے ہیں تو بہی ساری محفل میں حمل کر حکایات اور روایات بیان کرنے لگتے ہیں تو بہی ساری محفل میں جو د جب آپ کس ساری محفل میں تو اس مقبل میں اس ساری محفل میں جو بیں "(۱) ۔

مقرد کا کمال یہ مجی ہے کہ وہ سامعین کے معیاد اور ان کی نفسیات کے مطابق تقریر کرے سزور صاحب کا یہ وصف تھا کہ وہ مخاطب کے ذوق اور موقعہ و محل کی مناسبت سے بات کرتے تھے جتاب حامد صدیقی رقم طراز ہیں " ہر قسم کے آدمی کے سلمنے اس کے دنگ کی بات فرماتے ۔ کمجی ایسا نہیں ہوتا کہ عربی واں حعزات کی موجودگی میں آپ پر محل پر جست عربی کے دوچار شعر اور عربی کے دوچار ضرب الامثال اور علماء کے سلمنے موقع کی دوچار آستیں شہاھتے ہوں ، فارسی کے بے نظیر اشحار آپ کی ممنی میں بند ہیں جس بارسی داں حمزات بسٹے ہوں تو بات بات میں بحکیاں لیتے کی ممنی میں بادر آسمال کے اشعار زمیں پر ہیٹھ کر سنادیتے ہیں "(د) س

تقریر کی بہترین صلاحیت رکھنے کے باوجو د ڈا کٹرزور ان مقررین میں ہے نہیں تھے جنمیں تقریرکا شوق ہو تا ہے اور جو بڑے آدمیوں کے سلمنے تقریر کرنے کا کوئی موقع گنوانا نہیں چلہتے ۔ زور صاحب میں سر کر دہ تخصیبتوں کے آگے خود کو نمایاں کرنے کی کمزوری نہیں تمی ۔الیے موقعوں پر تقریرے گریزی کرتے تھے سپتانچہ اس سلسلہ میں ان کے ہم جماعت محمد ا کبرو فاقانی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ یوم کلیہ جامعہ عثمانیہ کے موقع پرڈا کٹرزور اور ڈا کٹرسیادت علی خاں کی نگرانی میں طلبہ نے ایک ڈرامہ پیش کیا جبے دیکھنے کے لئے ولی عہد بہادر نواب اعظم جاہ تشریف لائے تھے ۔ پرنسپل مولوی عبدالرحمن خان نے زور صاحب سے تقریر کرنے کو کہااور کوئی ہو ہاتو اس اعزاز کے حصول کے لیے آگے بڑھتا لیکن ڈا کٹر زور نے انکار کر دیا۔ اور اکبر و فاقانی کو جو اس ڈراہے کے ہدایت کار بھی تھے تقریر کے لیے آگے بڑھادیا۔ زور صاحب حتی المقدور تقریرے گریز کیا کرتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو ا جما مقرر نہیں گر وانتے تھے لیکن جب اصرار کیاجا آبا تو تقریر کرتے اور ایسی کرتے کہ لوگ ان کی معلومات اور خبرو نظرے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے ۔ ڈا کٹرر فیعہ سلطانہ لکھتی ہیں ۔" زور صاحب خو د کہتے ہیں کہ اچھے مقرر نہیں ۔لیکن جب بھی بولنے پر مجبور کیا گیاان کے پاس خیالات کا ذخیرہ نکلا * (۸)۔

ڈاکٹر زور ادب کے عالم اور ادبی تاریخ و لسانیات کے بے نظیراہر تھے ۔ وہ ادب کے کسی بھی موضوع پر عالمانہ اظہار خیال کر سکتے تھے ۔ ان کی تقریر اس قدر مدلل اور دل نشین ہوتی تھی کہ سننے والا ان کی بات مان لیتا تھا(ہ) ۔ مقرر کا سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ سامعین کو اپنا قائل اور ہم نوا بنالے ۔ زور صاحب اپی شخصیت کی مقناطیسی کھٹی ، گو نجد ار آواز اور علمیت کے زور سے سامعین پر چھاجاتے تھے ۔ مقناطیسی کھٹی ، گو نجد ار آواز اور علمیت کے زور سے سامعین پر چھاجاتے تھے ۔ زور صاحب کی تقاریر سے صاف قاہر ہوتا ہے کہ یہ کسی جوشیلے لیڈر کی مذباتی تقریریں یا کسی پیشے ور خلیب کی شعلہ بیانیاں نہیں ہیں بلکہ ایک سلیم الطبع ، صاحب علم اور سخج ہوے ذہن و فکر کے حامل دانشور کے ارشاد ات ہیں جو معلومات افواد بھی اور خیال افروز بھی ۔ ان تقریروں سے جذبات کو اشتعالک نہیں ملتی الدتبہ یہ کسی موضوع پر سنجیدگی سے سوچنے اور ٹھنڈے دل سے مؤر و فکر کرنے کا حوصلہ اور

ترغيب ضرور دي ہيں ۔

زور صاحب کی شخصیت مکر مریا، حیل و جمت اور احساس کمتری جیبے عیوب سے
یکسر مبرا تھی ۔ انہوں نے کہیں بھی روباہی یامصلت کیشی سے کام نہیں لیا۔ ان کے
اس رویے کا اظہار ان کی تقریروں میں ہوتا ہے ۔ ڈاکٹر زورکی اس خصوصیت کی طرف
اشارہ کرتے ہوے ان کے دیر نیہ معاون جتاب وقار خلیل اس طرح خراج محسین
پیش کرتے ہیں:

" انھوں نے (ڈا کٹر زور نے) اظہار خیال میں کمبی تکلف اور تامل سے کام نہیں لیا۔دل میں جو آتا وہ کہہ گز رتے...... کوئی لاگ پپٹ ان کے پاس نہیں،صاف دلی اور صاف گوئی ان کاشعار رہا" (۱۰)۔

ردو صاحب تقاریر میں اردو کی وکالت نہایت ہے لاگ اور بڑے دو ٹوک ایراز میں اردو کی وکالت نہایت ہے لاگ اور بڑے دو ٹوک ایراز میں کرتے تھے انھیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ ان کی تقریر سے بھلے ہی کچھ جبیوں پر بربی کے آثار نمایاں ہوں ۔وو لپنے اصولی موقف میں مفاہمت کو دخل اندازی کاموقع دینے کے روادار نہ تھے ۔اس سلسلہ میں ان کے رفیق کارپروفیر محمود حسین لکھتے ہیں:

" ایک مرتبه جنوبی ہندگ کسی اہم کانفرنس میں شرکت کی ۔ ایک اجلاس کی صدارت پنڈت نہرونے کی تھی ۔اس میں بڑازور دار خطبہ پڑھااور ار دو کو اس کاجائز مقام دلانے کی طرف حکومت ہندگی توجہ منعطف کرائی "(۱۱) ۔

دنیا کے بڑے بڑے خطیبوں اور مقرروں کے حالات شاہد ہیں کہ ان میں سے
کوئی بھی پیدائشی مقرر نہیں تھا۔ سب مشق و مزاولت اور سعی و ریاضت کی ہدولت
فن خطابت کے درجہ کمال کو بہنچ ۔ زور صاحب بھی ابتدا۔ میں کوئی فسوں طراز مقرر
نہیں تھے لیکن تقریر و خطابت کی مداومت نے انھیں اس فن میں طاق کر دیا تھا۔
پاکھوم ادارہ ادبیات کی تقاریب اور ار دوز بان کی ترتی کے لیے منعقدہ جلسوں میں
ان کی طبیعت کا انشراح اور فکر کا انہساط خوش گفتاری اور جادو بیانی کے ججب گل
کملانا تھا۔ مولوی محمد اکبرالدین صدیقی فن تقریر میں ڈاکٹرزور کے بحد رہے اکتساب

کمال کا ذکر کرتے ہو ہو گھتے ہیں کہ "شروع میں ڈاکٹر صاحب کچھ اتھے مقرد نہ تھے لیکن ان کی شہرت، ان کے کام اور ان کی مقبولیت نے بہت ہردل عزیز بنا دیا تھا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ انھیں کہیں جلسوں کی صدارت ریونینوں کے افستاح اور مشاعروں کی میری کے لیے بلاتے۔مرف مقامی طور پر ہی نہیں بلکہ حید رآباد سے باہر بھی ڈاکٹر صاحب کسی کی درخواست کو شاذ ہی روکرتے اس کا فائدہ انھیں یہ ہوا کہ اتھے مقرد بن گئے "۱۲)۔

حیدرآباد میں زور صاحب کو نہایت وقیع در فیع سماجی مرتبہ حاصل تھا۔وہ حیدرآباد
کی علمی و تہذیبی سرگر میوں کے روح رواں تھے ۔ جلنے جلوس ۔ مشاعرے ۔ عرس ۔
سماجی تقریبیں ۔ دعوتیں ملاقاتیں ۔ الجمنیں ۔ کمیٹیاں ۔ غرص بے شمار تنظیموں اور
اداروں کی سرگر میوں میں وہ شریک رہتے ۔اور ان محفلوں کو لینے حسن صدارت کے
علاوہ بصیرت افروز خطبہ صدارت سے چار چاند لگادیتے تھے ۔ ذیل میں ان کے بعض
صدارتی خطبات کے حوالے سے ان کے خطبات کی امتیازی خصوصیات پر روشنی ڈالی
جاتی ہے۔

ڈاکٹر زور عملی انسان تھے۔وہ محض زبانی جمع خرج کے عادی نہیں تھے بلکہ
گفتار کے ساتھ ساتھ کر دار کے بھی غازی تھے اور چلہتے تھے کہ ار دو والے ار دو ک
زبانی بمدردی کے دعووں اور نوحہ خوانی کی عادت ترک کر کے اس زبان کے فروغ
اور بنتا کے لیے عمل کے میدان میں آئے آئیں اور عملی طور پر کچھ کر دکھائیں ۔ ۱۱/ اپریل
۱۹۴۶ء کو جبل پور میں منعقدہ آل انڈیا میلیم ایجو کیشنل کانفرس میں شعبہ ار دو ک
صدارتی خطاب میں انموں نے اہل ار دو کو ار دو زبان کے تحفظ اور استحام کے لیے
تعلیم بالغان کی راہ عمل بھائی ۔ اس کے ذریعے ان کے خیال میں دو ہرے فوائد کا
حصول ممکن تھا۔ایک تو یہ کہ اردو زبان کی اشاعت ہوگی دو سرے یہ کہ ملک میں
تعلیم اور خوائدگی کی شرح میں اضافہ ہوگا۔ تعلیم بالغان کی انجیت اور افادہت پر

" الیے وقت میں بچے اور مخلص ہمدر دان ار دو کا اصل کام تو یہ ہے کہ ان لا کھوں ار دو پولنے والوں کو میچے معنوں میں ار دو داں بنانے

ی کوشش کریں جوار باب اِر دو کی غفلت و نادانی اور دوسروں کی دانائی کی بناپر بہت جلد اروو دنیا ہے علاحدہ ہوجائیں گے کیوں کہ تقريباً ہرصوبہ میں ایسے لا کھوں غربب اور پریشان حال موجو دہیں جو پڑھنے لکھنے کی دولت سے محروم ہیں اگر اہل ار دو چلہتے ہیں کہ ان کی زبان بولنے والوں کی تعداد میں مستقبل قریب میں معتد بہ کی نہ ہونے پائے تو ان کا اولین فریف یہ ہے کہ ہر شہر اور ہر گاوں میں تعلیم بالغان کی مہم کا آغاز کریں.... تعلیم بالغان کی مہم بجائے خود جو اہمیت رکھتی ہے اس کی نسبت تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں البتہ اتنا ضرور ہمیں یادر کھنا چلہیے کہ اس کام ہے ہم رو گو نہ فوائد حاصل کریں گے مہلافائدہ تو یہ ہے کہ اس طرح تعلیم کو عام کر ہے ہم جہالت کی ان گھنگور گھٹاؤں کو دور کر سکیں گے جو ہمارے ملک پر چاروں طرف تھائی ہوئی ہیں اور حن کی تاریکی میں ہمارے کڑ وڑوں بھائی بھلے اور برے اور چ اور جموٹ کے مابین امتیاز نہیں کر سکتے اور اس لیے وہ آسانی ہے الیے غلط بیانات باور کر سکتے ہیں کہ ار دو قرآن شریف کی زبان ہے اور اس کو مسلمان حملہ آور اپنی تلوار کے ساتھ باہرہے ہندوستان میں لے آئے ہیں۔

تعلیم بالغان کا دوسرا فائدہ پہلے فائدہ سے بھی زیادہ اہم ہے اس لیے کہ ہماری اس مہم کے ساتھ ساتھ خود اردوکی بھی اشاعت ہوتی جائے گی ۔ ہمیں یہ اتبی طرح ہمیں کچھ لینا چاہیے کہ ہماری زبان کی بقااور اشاعت کے سلسلہ میں فی الوقت تعلیم بالغان کو جو اہمیت حاصل ہے اتنی کسی اور مسئلہ کو حاصل نہیں ۔ ان پڑھ لوگوں کو اس وقت جس زبان میں بھی پڑھنا لکھنا سکھا دیا جاسے گا ان کی اولاد بھی وہی زبان احتیار کرے گی ۔خاص کر صوبہ متحدہ اور صوبہ متحدہ اور موبہ متحدہ اور بیش کی اور ان کے اطراف واکناف کے اکثر علاقوں کے باشدے الیمی زبان یا بولیاں بولتے ہیں جو محض رسم الملا سکھنے کے باشدے الیمی زبان یا بولیاں بولتے ہیں جو محض رسم الملا سکھنے کے باشدے الیمی زبان یا بولیاں بولتے ہیں جو محض رسم الملا سکھنے کے

بعدیاتو اردو بن جاتی ہیں یا ہندی ۔ اس سے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ کو شش ان ہی مقامات پر تعلیم بالغان کے سلسلہ میں ہونی فروری ہے ۔ لیکن افسوس ہے کہ ان ہی علاقوں میں اردو کی تعلیم بالغان سے غفلت برتی جارہی ہے اور ہمدر دی اردو کے سارے مظاہرے محص نمود و نمائش اور مجلس آرائی کی حد تک آگر خم ہو جاتے ہیں ۔جولوگ اردو کی مجبت کے دعوے دار ہیں اور اردو کے ساتھ ساتھ اپنی تمدنی اور سماتی بہودی کے بھی خواہش مند ہیں ساتھ ساتھ اپنی تمدنی اور سماتی بہودی کے بھی خواہش مند ہیں افسیں چاہیے کہ لینے لینے قربوں محلوں ، گلیوں اور بازاروں میں انعلی بالغان کے مدارس شبینے کھولیں اور متحدہ طور پر سعی کریں کہ ان کے گاوں یا محلوں یا کئی میں کوئی شخص الیا نے رہے جس کو اردو برصالکھنا نہ آیا ہو *(۱۱) ۔

زور صاحب کے خطبات میں ایک خاص منطقی ربط و تسلسل کا احساس ہوتا ہو ۔ جس سے ت چات ہیں ۔ و بط کے ساتھ گفتگو کر رہے ہیں ۔ وہ ایک ماہرانشاپردازی طرح بات میں سے بات نکالتے ہیں اور لینے خطاب کو موضوع بحث کے مختلف اطراف وجوانب سے ہم کنار کرتے ہوئے اس میں فکر د خیال کے نئے جریروں کی تخلیق کرتے ہیں ۔ ان کے خطاب میں بہاڑی اس میں فکر د خیال کے نئے جریروں کی تخلیق کرتے ہیں ۔ ان کے خطاب میں بہاڑی در کا زور و خور اور تیزی نہیں ہوتی بلکہ کسی میدانی دریا کی سبک خرامی اور سیرانی کی کیفیت پائی جاتی ہے ۔ لینے خطبات میں وہ زیر بحث موضوع کی جمام جرجیات کو نہلمت سلیقے کے ساتھ بحد رج مردشتہ اظہار سے مربوط کرتے ہوئے ہیں۔

زور صاحب اردو کو اس کے تاریخی سناظر اور نسانی میں منظر میں پورے ہندوستان کی زبان تصور کرتے تھے۔وہ اس سلسلہ میں دبستانوں کی تغزیق علاقائی معبیت اور ابل اردو کے تفاخر کو تعلق روا نہیں رکھتے تھے۔ان کے نزدیک اردو ایک ترقی بیند زبان ہے جبے کسی علاقے اور شہر کے حلتے میں محصور نہیں کیا جا ستا وہ کہتے ہیں کہ اردو ے معلیٰ اور علاقائی برتری کے محمنڈ کا دور ختم ہو جکا اب جدید رجمانات، موام کی روز مرہ زبان اور ذبی میلان کو پیش نظرر کھ کر ایک معلم تراردو

کی واغ بیل ڈلنے کی ضرورت ہے۔انٹر میڈ مٹ کالج ور نگل کی بزم ادب کی جانب سے فروری ۱۹۲۵ء میں منعقدہ چلے کے خطبہ صدارت میں کہتے ہیں:

"ار دو صحیح معنوں میں ایک ترتی پیند زبان ہے وہ کسی خاص صلتے اور دائرے میں مقید نہیں رہنا چاہتی ۔ اس لیے اس کا مستقبل بھی ان کی لوگوں کے ہاتھوں بہتر بن سکتا ہے جو فرقہ وار اور صوبہ وار تعصبات کو بس پشت ڈال کر کشادہ دلی اور دسعت نظرے اس کے لئے کام کر ناچاہئے ہیں اب ار دوے معلیٰ کا دور گزرگیا ۔ گزرا ہوا زمانہ محض یاد باتی رکھنے اور افسوس کرنے سے والیس نہیں آسکتا اب عمل کی ضرورت ہے ۔ الیے ترتی پیندانہ عمل کی جو رفتار زمانہ کے قدم بہ قدم ہو اور جس کے لیے الیے کار پرداز مہیا ہوں جن میں خار دار گھائیوں اور دشوار گزار راستوں سے بغیر الحجے آگے لگل جانے کی صلاحیت ہو ۔خدا کرے کہ آپ کی بزم ادب الیے باہمت اور چونچال نوجوان پیدا کرسکے اور ضدا کرے کہ ان کا نام اس عظیم اور دی طرح اندازوں کی پہلی صفوں میں شامل ہوسکے "(۱۲) ۔

ڈاکٹر زور وسیع المشرب، روش خیال اور روا دار انسان تھے ۔ مذہبی، نسانی، صوبائی کسی قسم کا تعصب انھیں چھوکر بھی نہیں گزر اتھا۔ان کے حلقہ احباب میں ہندو، سکھ پارسی وغیرہ مخبلف مذاہب کے ملت والے شامل تھے۔اس طرح ان کے تعلقات تلکو، کنٹرا، مرہٹی وغیرہ سبھی زبانیں بولنے والوں اور ان زبانوں کے اساتذہ سے نہلہت مستحکم و پر خلوص تھے۔انھیں اردو زبان سے عشق ضرور تھالیکن نفرت کسی زبان سے نہیں تھی۔ہندی اور اردو کی رقابت سے کون واقف نہیں لیکن زور صاحب ہندی کی نہیں تھی۔ہندی کی ترقی سے حسد کرنے والوں میں نہیں تھے۔وہ ہر طرح کی قنو طیت اور احساس کمتری سے اونچا اٹھ کر پورے احماد کے ساتھ ہندی کے فروغ کی کاوشوں کو خوش آمد بد کہتے ہیں کیوں کہ ان کے خیال میں ہندی کی اشاعت اردو کے فروغ کی زینے بن سکتی ہے۔ انھیں اردو کی طاقت اور توانائی پر بھین کامل تھا کہ یہ زبان لیت نازک اور دل نشین اسلوب کی بدولت ہندی کو متاز کرے گی اور اس کے وسیلے سے ملک گیر مقبولیت اسلوب کی بدولت ہندی کو متاز کرے گی اور اس کے وسیلے سے ملک گیر مقبولیت

حاصل کرے تھی۔

ہندی کے علاوہ تلکو اور دیگر علاقائی زبانوں کے تعلق سے بھی زور صاحب السے ہی کشادہ ڈہن و قلب تھے ۔ ان کا خیال تھا کہ ایک سے زیادہ زبانوں سے واقفیت، ادبی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں معاون ثابت، ہوتی ہے ۔ ۱۹۹۱ء کے یوم محمد قلی قطب شاہ کے موقع پر خیر مقد می تقریر کرتے ہوئے زور صاحب نے اردو والوں پر زور دیا کہ وہ بلا تحفظ ذہنی ہندی ، تلکو اور دوسری علاقائی زبانیں سیکھیں ۔ وہ کہتے ہیں:

"اردو والوں کو اپنے ملک کی سرکاری زبان ہندی یا اپنے ہم سایوں
کی زبان مرہی یا گراتی یا تلکی کے سیھے میں کمجی پس و پیش نہ
کر ناچاہے ۔ جب ہم نے ایک غیر ملکی زبان انگریزی سیکھی تو پچراپی
ملکی زبان ہندی کے سیکھے اور اس میں حض و مزاولت پیدا کرنے
میں ہم کسی سے پچھے نہیں رہ سکتے بلکہ مجھے تو یقین ہے کہ جب اردو
بولنے والے ہندی سیکھ کر اس کے رسم الحلا میں لکھنا شروع کر دیں
گویڑھ کر ہندی ساکھ کر اس کے رسم الحلا میں لکھنا شروع کر دیں
کو پڑھ کر ہندی والے محسوس کریں مجے کہ اردو میں جو شائستگی
روانی اور لوچ ہے اس سے لطف اندوز ہونے کیلئے خود ہم بھی اردو
رسم الحلا سیکھیں اور اس طرح مہاتما گاندھی کا وہ منصوبہ پورا ہوگا
رسم الحلا سیکھیں اور اس طرح مہاتما گاندھی کا وہ منصوبہ پورا ہوگا
جس میں انہوں نے ہندوستان کی مشتر کہ زبان کانام ہندوستانی قرار
دیا تھا اور اس کو ہندی اور اردو دونوں رسم الحظوں میں رائج ہونے

ڈاکٹر دور ایک صاف گواور کھرے انسان تھے۔ان کے خطبات سے ہمی ان کے اس وصف کا اظہار ہو تا ہے۔وہ بے جھجک اور بلاخوف لومت لائم اپنا موقف بیان کرنے کے عادی تھے جس بات کووہ قابل تحسین سجھتے تھے،اس کی دل کھول کر حوصلہ افزائی اور تعریف کرتے اور جو بات ان کی نظر میں غلط ہوتی بہ بانگ وہل اسے غلط کہتے۔اس معاط میں کمی قسم کی مصالحت اور روباہی کا مظاہرہ نہ کرتے بتانچہ جب حدر آباد میں ترقی پندوں کی تاریخ کانفرنس منعقد ہوئی تو انہوں نے لینے خطبہ استقبالیہ میں مد صرف اس تحریک کی خوبیوں کی ستائش کی بلکہ خامیوں کی بھی گرفت کی ۔وہ کہتے ہیں:

"ترقی پیند ادب کی تحریک کواس وجہ سے بھی نقصان بی رہا ہے اور شائد آئید و بھی بی کے کہ اس تحریک کے بعض علم بردار ترقی پیندی اور اشتراکیت کو لازم و ملزوم سجھنا چاہتے ہیں ۔ حالانکہ یہ الترام اتنا فروری نہیں جتنا کہ ترقی پیندی اور انسانیت میں ہونا چاہتے ۔ انسانوں کی زبوں حالی سے می ٹرہونا اور انسانی حقوق کی پامالیوں کے خلاف علم بخاوت بلند کرنا ایک ایسی و سیح الخیالی ہے جس کے مقابلے میں کسی خاص سیاسی عقیدے کی تبلیغ کرنا ایک طرح کی مقابلے میں کسی خاص سیاسی عقیدے کی تبلیغ کرنا ایک طرح کی مقابلے میں کمی خاص سیاسی عقیدے کی تبلیغ کرنا ایک طرح کی مقابلے اگر انسانیت کی علم برداری کی بجائے اگر انسانیت کی علم برداری کا دعویٰ کریں تو محض ایک اصطلاح کی تبدیلی سے ان کے بہت سے عیب ہمز نظر آنے لگیں گے اور این کے بہت سے مخالف ان

ایک اور بات جس کی طرف ہماری اس کانفرنس کو خاص طور پر توجہ کرنی چاہئے اور جس کی وجہ سے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوسکے گایہ ہے ترتی پنداوب کو افراط و تغریط سے بچایا جائے ۔ اصحدال ہر کامیابی کا لازمی ذریعہ ہے اور یہ خوبی اس وقت تک پیدا خہر گی جب تک کہ ہم اپنی ہر کاوش پر سنجیدگی اور ٹھنڈے دل سے خور نہ کریں برخااندیشہ ہے کہ کہیں ترتی پندی اور جوش و حبز بات کی ہنگامہ آرائی متراوف نہ بن جائیں لیکن تقین ہے کہ یہ اندلیشہ دیرپا شامت نہ ہوگا کیوں کہ جسے ترتی پندادہ باور شاعر پختہ مشق اور ملمی الطبع ہوتے جائیں محر ہمارا اوب بھی نکمرتا جائے گا۔ سلامتی طبع اور خوش ذوتی لبخیرا محد ال کے ممکن نہیں۔ اس لئے جب تک

ترقی پند تحریک کا ہر دل دادہ افراط و تفریط سے بچنے کی کوشش نہ کرے گا وہ اس تحریک کے سفرت رساں ثابت ہو تارہ گا اور اس کے ذاتی اعمال واقوال دوسروں کو اس مفید تحریک سے بدخن کرانے کا باعث بنتے رہیں گے "(۱۲) ۔

زور صاحب کے خطبات میں زمانے کی شکایات اور نامساعد حالات کا گھر نہیں ملتا۔ وہ شبت اعداز فکر کے مالک تھے یہی مزاج ان کے خطبات کا بھی ہے۔ وہ ایک مدبراور تجربہ کار رہمنا کی طرح مثبت اور تعمیری انداز میں میدان عمل میں قدم رکھنے کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ ناساز گار ماحول ، ناموافق حالات اور مایوس کن اندیشوں میں بھی امید ورجاکا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتے ۔ وہ محبان ار دو میں بھین و اعتماد اور عزم و استقلال دامن ہاتھ سے جانے نہیں دان کے خطبات میں پر امید اور خوش آئند مستقبل کا اشارہ ملتا ہے۔ ڈاکٹر زور الفاظ کے تو تابینا بنانے کے قائل نہیں تھے وہ عملی آدمی تھے خطبات میں بر امید اور خوش آئند مستقبل کا خطبات میں بر امید اور خوش آئند مستقبل کا خطبات میں بھی وہ نوجوانوں ، طالب علموں اور ار دو والوں کو اپن زبان اوب کے خطبات میں بھی وہ نوجوانوں ، طالب علموں اور ار دو والوں کو اپن زبان اوب کے معمی میں مبارزت طلبی کی گھن گرج نہیں بلکہ پند پیرکاسا سے ، نرم اور دل نشین انداز پایا میں مبارزت طلبی کی گھن گرج نہیں بلکہ پند پیرکاسا سے ، نرم اور دل نشین انداز پایا جاتے ۔

زور صاحب کے خطبات کی زبان سلیس ورواں اور اسلوب سادہ و دل کش ہے ۔ اس میں کہیں کوئی ابہام یا اشکال نہیں پایاجاتا ۔ زبان و بیان کی سادگی کے باوجود ان کا طرز استدلال نہلت چست اور پر اثر ہے ۔ اپن بات کی تائید میں وہ فارسی اور اردو کے اشعار و محاورات اور ضرب الامثال کا نہلت موثر و برجستہ استعمال کرتے ہیں ۔ ان سب باتوں پر مستزاد اردو کے تیئن ان کے اخلام اور اس کے لیے مُحوس خدمات ہیں جن کی بدولت ان کی تعاریر اور خطبات میں ایک خاص قسم کی تاثیر و توانائی زیریں ہروں کی طرح موج مارتی د کھائی دیتے ہے۔

حواشي:

- (۱) محمد اكبر الدين صديقي _ ۋاكثر زور صاحب مشموله سب رس حيدرآباد (زور نمبر) ۱۹۲۳ م ۱۹۲۳ م
- (۲) ایضآص ۲۵_ (۳) ایضآص ۸۹_ (۲) ایضآص ۳۵_ (۵) ایضآص ۱۳۳۰ (۲) تحمد بن عمر ڈاکٹرزور -ص ۱۲۸
 - (١) الفِياْص ١٢٩ (٨) الفِياْص ١٠٠
- (۹) وقار خلیل _ ڈاکٹرزور کی شخصیت ۔ مشمولہ (زور نمبر) سبرس ۱۹۲۳ء حیررآباد ۔ مس ۱۹۰۰ء
 - (١٠) الضاً ١٥٢_
- (۱۱) پروفليسر محمود حسين ذاكرز درمرحوم مشموله سب رس حيد رآباد ۱۹۲۳ (زور نمبر) م ۳۸ -
 - (۱۲) محمد اکبرالدین صدیقی ڈاکٹرزور صاحب زور نمبر ۱۹۶۳ء ص ۳۷ -
 - (۱۳) بدحواله سبرس زور نمبر حيد رآباد ١٩٤٣ ص٢٠٢ ٢٠٣
 - (١٣) ايضاً ص ١١٣ (١٥) ايضاً ص ٢٠٠٩ (١٦) ايضاً ص ١١٩

0 0 0

1 Brown Like

ڈاکٹرزور بہ حیثیت مکتوب نگار

ماتوب وراصل دو آدمیوں کے درمیان تحریری گفتگو کا نام ہے ، جس میں صاحب تحریر کی شفگو کا نام ہے ، جس میں صاحب تحریر کی شخصیت اپنی تمام ترخوبیوں اور خامیوں کے ساتھ جھلک اٹھتی ہے ۔ ایک اچھا خط غزل کی طرح اختصار وجامعیت، سادگی و بے ساختہ پن، حذبہ واحساس کی بطافت اور سچائی و خلوص کا آئدنی دار ہوتا ہے ۔ کبھی سے محض استفسار کے جواب میں لکھا جاتا ہے ۔ کبھی دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ، کبھی لینے دکھ اور شاد مانی میں دوسروں کو شرکی کرنے کے لیے اور کبھی اپنی ان آرز دوں اور خوابوں کے اظہار دوسروں کو شرکی کرنے کے لیے اور کبھی اپنی ان آرز دوں اور خوابوں کے اظہار کے بیے تحریر کیا جاتا ہے جو شرمندہ تعبیرہ ونے کے لیے مجلتے رہتے ہیں۔

ادیبوں اور شاعروں کے مکاتیب اس لیے اہمیت کے حامل ہوتے ہیں کہ یہ نہ صرف ادبی تقاضوں کو بور اکرتے ہیں بلکہ کمتوب نگار کے نہاں خانہ دل تک جہنے میں بھی ممد و معاون ہوتے ہیں ۔ اس نقطہ نظر سے اہل تلم فن کاروں کے خطوط کا بلاستعباب مطالعہ محتقین کے لیے بنیادی ماخذکی حیثیت رکھتا ہے۔

بھی ممد و معاون ہوتے ہیں ۔اس تعظہ طریعے ہیں ہم ن ماروں کے بیا استعیاب مطالعہ محققین کے لیے بنیاوی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔
جہاں تک ڈا کٹرزور کی محتوب نگاری کا تعلق ہے ۔انھوں نے لینے دوست،
احب، ملامذہ اور عزیزوں کو سینکڑوں خطوط لکھے ہیں لیکن تاعال ان کے خطوط کا کوئی جموعہ منظر عام پر نہیں آیا، المنت بعض رسائل و مجلات میں ان کے چدہ چدہ خطوط شائع ہوئے ہیں بیش نظر مضمون میں انھیں خطوط کے حوالے سے زور صاحب کی شائع ہوئے ہیں بیش نظر مضمون میں انھیں خطوط کے حوالے سے زور صاحب کی محتوب نگاری کی خصوصیات پر روشنی ڈلنے کی کوشش کی گئے ہیزیہ بھی و کھایا گیا ہے کہ ان خطوط میں ان کی شخصیت کے کون کون سے گوشے اجا کر ہوئے ہیں۔

ڈاکٹرزور ایک بے باک اور بے لاگ انسان تھے ۔ان کی بارعب شخصیت فیلی انداز در ایک بے باک اور بے لاگ انسان تھے ۔ان کی بارعب شخصیت

ڈاکٹر زور ایک ہے باک اور ہے لاک انسان تھے۔ ان کی بار عب تھیت نے کہی مکر و ریا اور مصلحت کوشی جسی پر فریب نقابوں کا سہارا نہیں لیا ۔ وہ لینے احباب و معاصرین اور شاگر دوں و ماتحتین سے بلا تصنع اور بلاتکاف بات کرتے تھے اور ہراکی سے کھل کر ملتے تھے۔ان کی شخصیت کا یہ انداز ان کے خطوط میں بھی روشن نظر آتا ہے۔ان کے مکاسیب سادگی اور صاف گوئی کا مخونہ ہیں ۔ان کا مطالعہ کرتے ہوئے کہیں بناوٹ اور آور د کا احساس نہیں ہوتا ۔ان خطوط میں وہ بے محابا لیتے مافی الضمیر کا اظہار کرتے ہیں ۔خوشی و مسرت، رنج و غم، فکر و ترد د اور غصہ و خطی مافی الضمیر کا اظہار کرتے ہیں ۔خوشی و مسرت، رنج و غم، فکر و ترد د اور غصہ و خطی مر قسم کے حذبات وہ بے دحڑک ظاہر کر دیتے تھے ۔ بہ قول ڈاکٹر گوبی چند نارنگ زور صاحب کے خطوط دراصل ایک اویب کے نجی لمحات کی تصویریں ہیں، نارنگ زور صاحب کے خطوط دراصل ایک اویب خبی لمحات کی تصویریں ہیں، بہتیں ہیں عام زندگی کی، دکھ سکھ کی، کار و بار شوق کی اور سفر و حصر کی ۔ الفاظ کی باتیں ہیں عام زندگی کی، دکھ سکھ کی، کار و بار شوق کی اور سفر و حصر کی ۔ الفاظ کی جو کس بھانے یا نگنیہ کاری کرنے کی انھیں نہ تو فرصت تھی اور نہ وہ اس کے قائل تھے ہو کس باتیں کرتے اور قلم برداشتہ لکھتے تھے ۔جو صاف گوئی، سادگی، بے باکی اور دیا ویزی ان کی شخصیت میں تھی ۔وہ ان خطوط میں بھی ملے گی۔ "(۱)

دلادینزی ان بی تھیت میں ھی۔ دہ ان حطوط میں جی سلے کی۔ "(۱)

واقعہ یہ ہے کہ ڈا کمرزور کے کے خطوط ان کی نمی زندگی کے مختلف واقعات،
علی و تحقیقی معروفیات، تصنیفی و تالیفی منصوبوں، ادارہ ادبیات اردو کی تعمیر و ترتی
کے مختلف مرحلوں اور اس قبیل کی دیگر ادبی اور تہذیبی سرگر میوں کی مستند دستاوین
کی حیثیت رکھتے ہیں سان مکاتیب کی داخلی شہادتوں سے زور صاحب کی سیرت و
شخصیت کے بہاں زوایے، افتاد طبع اور ذہنی تشمکش کے پہلوبہ پہلوان کے ذہنی اتار
چرمحاؤ اور نفسیاتی کیفیات بھی سامنے آتی ہیں سان خطوط کے آئینے میں ہم زور صاحب

ڈا کر زور نے زمانہ طالب علمی ہی سے مکاسیب و مراسلت کی روایت اختیار کی تھی ۔ ان کے خطوط کی ایک خاص بات یہ ہے کہ یورپ کے قیام کے زمانے میں انھوں نے کستوب نگاری کا جو انداز و اسلوب اختیار کیا تھا تادم مرگ وہ اسی نج پر قائم رہے ۔ اسلوب کی بید یکسانیت ان کی مستقل مزاتی اور وضع داری کی غمازی کرتی ہے ان کے مخاطبین میں ہر سطح اور ہر مرتب کے لوگ شامل ہیں ۔ لیکن زور صاحب کی تحریر ان کے مخاطبین میں ہر سطح اور ہر مرتب کے لوگ شامل ہیں ۔ لیکن زور صاحب کی تحریر ہر ایک کے ساتھ خلوص و محبت کی شمیم جاں فزاکی یکساں عطر بیزی کرتی و کھائی دیتی

ڈا کٹرزور نے یورپ کے ڈیانے قیام کے دوران (۱۹۲۷ء نہ ۱۹۳۰ء) اپنے ایک

عزیز دوست نواب عبدالر حمن شریف کو متعدد خطوط لکھے جن کے مطالعہ سے ان کے زمانہ طالب علمی کے مختلف گوشے روشنی میں آتے ہیں ۔ یہ خطوط ان کی ذمنی و فکری نشو و نما کے ایک خاص عہداور ان کی شخصیت کی تعمیر و تربست کے ایک خاص زمانی و مکانی پس منظر کی غمازی کرتے ہیں۔ان مکاتیب کے ذریعہ زور صاحب کے نہ صرف افکار و تخیلات اور محسوسات و مشاہدات کا بتہ چلتا ہے۔ بلکہ ایک طالب علم کی جستی اور مستقبل کے بارے میں اس کے تصورات کا بھی اندازہ ہوتا ہے سجناں چہ نواب مذکور کے نام ۵ جنوری ۱۹۲۸ء کے ایک خط میں لندن کے موسم سرمااور وہاں کی برف مذکور کے تحلق سے لکھتے ہیں:

" لندن کی آب و ہوا بڑی خراب ہے۔ میں اس سے بیزار آگیا ہوں۔ گذشتہ دو ہفتوں میں خاصی برف گری سیہ چیز میرے لیے نئ ہے اور ساتھ ہی پر لطف بھی۔خصوصاً علی الصح مطلع ابرآلو دہو تو برف ڈھکے مکان ، در خت اور سڑکیں بقعہ نور نظرآتی ہیں۔ "(۲)

یورپ کے علمی تحقیقی ماحول میں رہتے ہوئے ڈا کٹرزور سے سوچنے سمجھنے کے انداز اور ذمنی و فکری رویوں میں جو تبدیلیاں رو نما ہوئیں ان کا اظہار کرتے ہوئے ایک خط میں وہ رقم طراز ہیں:

" نواب صاحب ہندوستان سے بہاں آنے کے بعد اس وقت یک جو جو خیالات بیدا ہوئے اور جو جو تبدیلیاں ہوئیں ۔ ان کا اظہار کر ما چاہوں تو ایک کتاب بن جائے گی۔ بعض دفعہ توجی چاہتا ہے کہ آپ لو گوں میں آجاؤں اور لینے دل کے وہ جمام ار مان تکالوں جو حیدرآباد اور لینے دوستوں کی بہودی کے متعلق دل میں اکثر (جھلک) دکھاتے ہیں۔ "(۳)

انسان کی باطنی تبدیلیوں کا اثراس کے اظہار سے پیدا وہ بویداہو تا ہے۔خیالات و افکار کی تبدیلی رہن سہن اور طرز معاشرت میں بھی تغیر و انقلاب کی متقاضی ہوتی ہے۔ قیام پورپ کے زیر اثر نہ صرف زور صاحب کی ذہنی دنیامتقلب ہو گئی بلکہ ان کی بو دو باش اور رکھ رکھاؤ میں بھی زبردست تبدیلی واقع ہوئی۔ایک خط میں لکھتے ہیں: " محجی - میں یہاں وہ آدمی نہیں رہاہوں جو کہی تھا۔ میرا لباس بدل گیا ۔ میری صورت بدل گئ ۔ میرا کھانا بدل گیا ۔ میرا طریقة بود و باش بدل گیا ۔ ہہاں تک کہ میری زبان بدل گئ ۔ کہیئیے بھر میرے خیالات تبدیل نہ ہوئے ہوں۔ "(۳)

اہل یورپ کے تجارتی نقطہ نظراور ہر معاملے میں علمی اور عقلی پہلو کو ملحوظ رکھنے کے عام ماحول اور اپنی ذات پر اس کے اثرات کا تذکرہ کتے ہوئے ۵ نو مبر ۱۹۲۸ء کو مرقومہ

أيك خط مين لكھتے ہيں:

" جہاں تک میری علی زندگی کا تعلق ہے میرا قیام یورپ زیادہ بہتر ہے یورپ انسان کو زیادہ عقلی بنادیتا ہے۔اس کی ہرچیز کاروباری نقطہ نظرے سرز دہوتی ہے۔خصوصاً پیرس کے دو مہیننے کے قیام نے میرے خیالات کی رو کو امک الیمی طرف پلٹا دیا جس کارخ شاید ہی میرے حاش میرے سارے دن یہیں بسرہوتے۔"(۵)

ڈاکٹر زور کو لندن کے مقابلے میں شہر پیرس زیادہ پند آیا۔اس کی وجوہات ان کے خطوط کے درج ذیل اقتباسات سے خام ہوتی ہیں ۔ان اقتباسات سے خصوف پیرس کی تعریف و توصیف خایاں ہوتی ہے بلکہ زور صاحب کی مصروفیات اور دل حبیبیوں

کا بھی اندازہ ہو تا ہے۔ ۲۹۱/ ڈسمبر ۱۹۲۹ء کے ایک مکتوب میں انھوں نے لکھا ہے:
"یہاں طرح طرح کے انسانوں سے ملاقات ہوتی ہے لندن میں یہ موقع نصیب نہیں ۔جو کوئی یورپ آتا ہے۔ وہ پیرس ضرور آتا ہے اور اس طرح یہ شہر ہروقت نے کو گوں کامر کز بنار ہتا ہے۔ جہاں کی

ول حیبیان شاید می ونیامین کمین اور نصیب مون به (۲)

۱۱۷/ فروری ۱۹۳۰ء کے ایک خط میں رقم طراز ہیں:

" نواب صاحب فرانس خاص طور پر پیرس ، انسان کو زندگی اور اس کے مختلف شعبوں پر اپنی مرمنی سے نظریں ڈالنااور نقطہ نظرقا نم کر ما سکھاتا ہے میں واقعی بد بخت ہو آیا اگر یہاں نہ آیا۔ ممکن ہے یہاں کا قیام میری زندگی کا بہترین زمانہ ثابہ ہے، ہو۔ "(٤) یورپ کے زمانہ قیام کے دوران ڈاکٹر زور کے شب و روز کڑی محنت اور انہائی معروفیت و مشغولیت میں گزرتے تھے۔ تعلیمی و تحقیقی معروفیت کے ساتھ ساتھ ساتھ ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی انھوں نے متقطع ہونے نہیں دیا تھا ۔اس دوران لکھے ہوئے خطوط میں اکثروہ اپنی عدیم الفرصتی اور بے بناہ معروفیت کی شکلیت کرتے نظر ہوئے جیں جناں چہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

"میں آج کل بے حد مشغول ہوں۔ پی ۔ آج ۔ ڈی کے تھیسس کے علاوہ جرمن (زبان) کے درس بھی لے رہا ہوں ۔ سنسکرت اور اسانیات کے لیے بھی خاص تیاری کر کے کلاس میں جانا پڑتا ہے ۔ کاش میری زمدگی کجی توجین سے بسر ہوتی آپ کو معلوم ہے کہ مڈل کے زمانے سے لے کر اب تک مسلسل مصروف ہوں۔ " (۸)

۲۲/ جنوری ۱۹۲۹ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں:

" یہ زمانہ میرے لیے بڑی مشغولیت کا ہے۔ ارادہ ہے کہ جون میں لینے کام پیش کر دوں ۔ لیکن ابھی ختم کرنے کے لیے بڑی محنت کی ضرورت ہے ۔ آپ جانتے ہیں میں (بیک وقت) لینے ضمنی کام کر تا رہتا ہوں ۔ ہندوستان میں جب حک رہا ۔ B.A اور ۔ M.A کے امتحانوں کے در میان مضمون نگاری کر تا یہاں سنسکر ست اور فلاوہ بہت سے قیمتی قلمی کتا ہوں کی نقل کر نا اور ان پر نوٹ لینا جاری رہا ۔ آگر اس سال پی ۔ آگ ۔ کی نقل کر نا اور ان پر نوٹ لینا جاری رہا ۔ آگر اس سال پی ۔ آگ ۔ دی کی اور دو سال رہ کر ڈی ۔ لی یا اور کوئی ڈگری کے لیے کام کر وں ۔ "(۹)

ڈا کٹر زور کے ان مکاتیب کی داخلی شہادتوں کی مدد سے ہم یورپ میں ان کے دور طالب علمی کی اکتسابی و تحقیقی معروفیات کے ساتھ ساتھ ان کی تصنیفی و تالیفی مرگر میوں اور یورپی ممالک کی سیروسیاحت کے بارے میں بھی تقصیلی معلومات حاصل کرسکتے ہیں۔

پرو فسیرخواجہ حمید الدین شاہد ڈاکٹر زور کے عزیز ترین شاگر و سدد گار اور

ر فیق کارتھے ۔ تقسیم ملک کے کھ عرصہ بعدوہ پاکستان منتقل ہوگئے ۔ ڈا کٹر زور سے ان کی محبت اور قربت کا اندازہ اس طرح لگایا جاسکتاہے کہ پاکستان میں بھی انہوں "اواره اوبيات اروو" كے نام ہے ايك اداره قائم كيااور" سب رس" بي كے نام ہے ا کیے علمی ، ادبی اور تحقیقی رسالہ جاری کیاجو ہرماہ پابندی کے ساتھ شائع ہورہا ہے۔ یرو نسیر شاہد کے نام زور صاحب نے متعد د خطوط لکھے ہیں حن میں ان کی نجی اور مجلسی زندگی کے بے شمار پہلو محفوظ ہوگئے ہیں -ان خطوط میں انہوں نے کہیں این مصرو فیات کا ذکر کیا ہے تو کہیں اپنی ہگیم کی علالت پر تشویش و ترد د کا اظہار کیا ہے ۔ کہیں اپنی لڑکیوں کے تعلیم و تربت اور ان کی نسبت کی بات کی ہے تو کسی میں ادارے کے کاموں اور سب رس کی اشاعت کے بارے میں میں گفتگو کی ہے۔ دوستوں ، عزیدوں اور شاگر دوں کی کیفیت سے باخبر کیا ہے اور شاہد صاحب کے احوال و کوائف کے بارے میں استفسار کیاہے ۔خواجہ حمید الدین شاہد لکھتے ہیں کہ " ان خطوط کے مطالعہ سے آج سے ۲۵۔ ۳۰ سال قبل کے اساد شاگر د کے روحانی ر شتوں ہے آگا ہی آج کے اسادوں اور شاگر دوں کے لیے ایک روشن مینار ٹابت ہوگی اور آپ محسوس کریں گے کہ شرافت مجسم اور احترام انسانیت کا ایک قابل تقلید تمونه تھے۔" (۴) ذیل میں ان خطوط ہے چند اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں:

"اب کام کرتے کرتے بہت تھک گیا ہوں۔ چھوڑ ناچا ہتا ہوں مگر کام چھا نہیں چھوڑتے کیے بعد ویگرے سلسلہ بندھا ہوا ہے۔ اب یوم محمد قلی قطب شاہ کی تیاریاں شروع ہو گئ ہیں۔ گھریلو معاملات چکھے پڑجاتے ہیں۔اوارے کے کام بڑھے جارہے ہیں "(۱۱)

"آپ کی یاد ہروقت اور ہرموقع پر آتی ہے۔ بجیب بات ہے کہ جن کو قریب رکھنے کی کوشش کی وہی وور ہو گئیے۔ آپ کا بھی وہی ہوا اور تہذیب (۱۴) کا بھی حالاں کہ اس کے لیے باہر کے گئے عمدہ عمدہ پیام آئے تھے ۔ اس خیال سے نہیں دیا کہ قربت رہے ۔ مگر فطرت می سم ظریفی دیکھنے کہ شادی کے بعد ہی خود تھے وہاں سے نکل جانا پڑا ۔ اس سے نیل جانا کہ قسمت میں عزیزوں سے فراق اور دوری ہے اور اس

وجہ سے ایک خاص سوز و کرب دل میں پیدا ہو تاہے۔"(۱۳)
" میں بے حد معروف اور بمگیم صاحبہ کی صحت کی وجہ سے پر بیشان
ہوں سے سے ہروقت ان کی قربت نہ ہونے سے بے چینی رہی ہے
سے سامعمول چلنے مجر جب تک حسب معمول چلنے مجرنے نہ
لگیں پر بیشان رہوں گا۔"(۱۳)

" تسنیم آرکی مکچراور تو فیق بی سامے میں شریک ہور ہی ہیں سسسہ تہذیب کا بھی کچھ نہیں ہوا سبڑی فکر ہے سنعدا کرے کہ جلدی کسی اچھے گھر میں طے پایاجائے سکچراری کا بھی کچھ نہ ہوا۔" (۱۵) (یہ سب زور صاحب کی صاحبزادیاں ہیں)

"آپ کی علالت کی خبرسے بڑی تشویش ہے۔خدا کرے کہ اب تک ضحت ہو گی ہو ۔ ماممسفائڈ کے بعد بڑی کم زوری ہوجاتی ہے ۔ احتیاط اور توجہ کی ضرورت ہے۔"(۱۹)

آج شامهاس نمائش گراونڈ پرمیری صدارت میں یوم اقبال منایا جارہاہ ۔ ڈاکٹر فی رام کر شاراؤ انستان کر رہے ہیں ۔ کل شام دوست محمد علا، الدین صاحب کی لڑک کی شادی دھوم دھام سے ہوئی ۔ ابھی فیاض الدین صاحب کا فون آیاہے کہ وہ حسن ثانی نظامی کو ادارہ و کھانے لارہ ہیں ۔ کر بلانی صاحب بھی آرہے ہیں ۔ گو بال ریڈی کل ایک روز کے لیے آئے تھے۔ "(۱۲)

زور صاحب کو دکن کے طبقہ نسوان کی بیداری اور ان کی علی و تعلیمی ترتی کا بھی خیال تھا ۔ علم و تحقیق کی میدان میں خواتین کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی کے مقصد سے انہوں نے ادارہ او بیات ار دو میں ایک شعبہ نسوان بھی تائم کیا تھا محترمہ سکینے بیگم صاحبہ اس شعبہ کی معتمد تھیں۔ڈا کٹرزور سے ان کے خاندانی مراسم بھی تھے۔اس

ي ترين نظم و نثر ميں اضافيہ ہو گا " (٢٠) -

علی و تحقیقی کاموں کے ضمن میں ڈاکٹرصاحب نے لینے عہد کی مختلف علی شخصیتوں سے مراسلت کی اور مختلف موضوعات و مسائل میں ان کے علم و تجربات سے استفادہ کیا ۔انھیں میں سے ایک نواب مشرف جنگ فیاض کے فرزند محمد کر بم الدین خان مرحوم (تحصیل دار ور نگل) بھی تھے (۱۱) ۔ نواب صاحب کا قیمتی و نایاب کتب خانہ افھیں کے تعرف میں تھا۔ زور صاحب نے اس کتب خانے کے مخزونہ تلی و مطبوعہ ننوں سے کر بم الدین خاں مرحوم کے توسط سے استفادہ کیا تھا۔خان مرحوم کے نام ان کے خطوط سے سے چلتا ہے کہ تحقیق میں مطلوبہ موادکی فراہی میں وہ کسی کھکھیرہ ان کے خطوط سے بے چلتا ہے کہ تحقیق میں مطلوبہ موادکی فراہی میں وہ کسی کھکھیرہ انہا کہ تحقیق میں مطلوبہ موادکی فراہی میں وہ کسی کھکھیرہ انہا یا کہ تھا۔

"میں آج کل حصرت فیض علیہ الرحمتہ پرکام کر رہا ہوں ۔ان کے کلام کا انتخاب کر لیا ہے جو فیض سخن کے نام سے شائع ہورہا ہے ۔ان کے حالات زندگی اور ویگر تصانیف سے متحلق آپ سے بھی مواو حاصل کر ناہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔نواب عزیزیار جنگ نے فرمایا ہے کہ ان کی مطبوعہ یا غیر مطبوعہ تحریریں آپ کے مہاں ہوں گی "شرح فیض " اور الکی آدھ کتاب میں نے خود آپ کے مہاں دیکھی تھی ۔بہرحال جو کچھ اکیست آدھ کتاب میں نے خود آپ کے مہاں دیکھی تھی ۔بہرحال جو کچھ ہو چند روز کے لیے میرے مہاں بذریعہ فیہ روانہ فرمائیں یا نواب عزیزیار جنگ کے مہاں روانہ کریں تو ان سے تحجے مل جائے گا "(۲۲) انھیں خان مرحوم کے نام ایک اور خط میں لکھتے ہیں:

آپ کے مہاں بعض و کن سے تلا یم ویوان بھی تھے۔ان پر مضمون لکھنے کی ضرورت ہے اگر آپ ان کو چند روز کے لیے نواب عزیزیار جنگ کے توسط سے روانہ فرمائیں تو یوم ولی کے سلسلہ میں جو نمائش میں کا رہے میں ہورہی ہے اس میں بھی پیش کریں اور آپ اجازت دیں تو مضمون بھی لکھا جاسکتا ہے "(۲۳)۔

ڈا کٹرزور کی ڈا کٹر گو پی چند عارنگ اور ڈا کٹر خلیق الجم سے بھی مراسلت رہی ہے۔ان

حصرات کے نام مکانیب میں اکثران کے تحقیقی کاموں کی مدح و سائش کے علاوہ ان کی ملاز مت و ترقی سے متعلق نیک خواہشات کا تذکرہ ملتا ہے ناکہ انھیں کام کرنے اور اعلیٰ تعلیم عاصل کرنے کا حوصلہ طے ۔ نارنگ صاحب سے خطوط میں انھوں نے ادارہ اور بیات اردو اور ابوالکلام آزاد رلیرچ انسیٰ ٹیوٹ کے لیے مرکزی و ریاسی حکومت سے گرانٹ حاصل کرنے سے متعلق سلسلہ جنبانی کو آگے بڑھانے کی خواہش کی ہے:

" منسٹری آف کلچرل افیرس معلوم کر ایسے کہ انسائیکلو پیڈیا کی گذشتہ سال کی امداد اور سال رواں کی جدید امداد ابھی تک نہیں ملی کام رکا پڑا ہے۔آزاد ربیرچ انسٹی ٹیوٹ کی امداد بھی جاری نہیں ہوئی ۔جلد کچھ کر ائیے وریڈ بے موت مرجائے گااور آپ کو مرشیہ لکھناپڑے گا۔ (۲۳)

"آپ کا پی ۔ اس کے۔ ڈی کا مقالہ میرے پاس آیا تھا۔ اس کو پڑھ کر آپ کی لیاقت محنت اور عزت میری نگاہ میں بڑھ گئے۔ بڑی خوش ہوئی آپ نے بڑی انچی کمآب لکھی ہے۔ یہ اس قابل ہے کہ فوراً شائع کر دی جائے اور اس اہم کام پر آپ کو انعام بھی طے۔ "(۲۵)

"خوشی ہوئی کہ آپ نے یاد فرمایا۔ نارنگ صاحب کی ریڈری ہے بھی خوش ہوئی اسلم پرویزصاحب کا کیا ہوا۔اب ان کی فکر ہے۔آپ کی پی اسچے۔ڈی کا بھی خیال رہتا ہے۔" (۲۹)

"آپ کے کالج میں اردو کا پوسٹ قائم ہوجائے گا ۔آپ کے پرنسپل صاحب سے موٹر میں گفتگور ہی خدا کرے کہ آپ نہ صرف مستقل ہوجائیں بلکہ مسلسل ترتی کرتے رہیں ۔ پی ۔ آج ۔ ڈی کی جلد تکمیل کرلیجے سیہ ڈگری مزید ترقیوں میں ممد و معاون ٹابت ہوگی۔"(۲۰)

ار دو زبان میں کتوب نگاری کے ابوالا بامرزاغالب نے لکھا ہے" میں نے وہ

انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنادیا ہے۔ ہزار کوس سے به زبان قلم باتیں

کر و ۔ بجر میں وصال کے مزے لیا کر و ۔" ڈاکٹر زور بھی غالب کی اس طرز سے متاثر
معلوم ہوتے ہیں ۔ان کے بعض مکانیب میں شعوری یا غیر شعوری طور پر مراسلے میں
مکالے اور تحریر میں گفتگو کا انداز پیدا ہوگیا ہے۔ مثلا پروفسیر خواجہ حمید الدین شاہد
کے نام درج ذیل مکانیب میں ان کی گفتگو کا انداز قابل داد ہے:

"عزیز مگرم آپ کا خط بڑے انتظار کے بعد ملا ۔ جلد جلد لکھتے رہیئے ۔ طبعیت بہت بہت بہت ہو گئ ہے ۔ کسی کام میں دل نہیں لگ رہا ہے ۔ عمارت کی تکمیل کا انتظار ہے ۔ بڑی دیرلگ رہی ہے ۔ "(۲۸) "یہاں بارش شروع ہو گئ ہے ۔ مطلع آبر آلو د ہے ۔ پھوار جاری ہے اس کو کہتے ہیں عالم آرائی ہر طرف سبزہ ہے اور موسم خوش گوار ہے مگر اب دل میں امنگ اور طبیعت میں جوش کی کمی ہوتی جارہی ہے ۔ علی وادبی کاموں سے بھی گئی ہی لگن باتی نہیں رہی ۔ "(۲۵)

"پرسوں حافظ محمد ابراہیم صاحب وزیر مرکزی حکومت ادارہ ویکھنے
آئے تھے۔ زین یار جنگ نے خیر مقدمی تقریر کی ۔ محرم کی وجہ سے
مخل شعرو مخن نہیں ہوئی ۔ خشک می صحبت رہی مگر حافظ صاحب
بہت خوش ہوئے اور کہا کہ عہاں عادر کام ہو رہا ہے ۔ می مگر یہ سب
باحیں آپ کو لکھنے ہے کیا قائدہ ۔ الیما معلوم ہوتا ہے کہ دنیا ہے
جنت کو یا عالم بالا کو خط لکھ رہاہوں ۔۔۔۔۔ بچ کسے ہیں ۔ان کی
احمی پرداخت کچے لاڈییار کیا وقت گزر چکا۔ منظم صاحب کسے ہیں ۔
سب کو اور خرصاحب کو سلام کیے۔ " (۳۰)

حو رسائل و جرائد آتے ہیں سان میں آپ کا نام ڈھونڈ یا

ہوں ۔ کہیں نظر نہیں آیا سبڑی مایوسی ہوتی ہے۔ میں انہاسے زیادہ می مصروف ہوں پہلے میں کام ڈھونڈ آتھا اب کام مجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر آرہے ہیں۔"(۳۱)

ڈا کٹر زور کے مکانیب کی خصومیات بیان کرتے ہوئے ڈا کٹر محمد نسیم الدین فریس نے لکھا ہے ۔" زور صاحب کی مکتوب نگاری کا خاص و صف یہ ہے کہ انہوں نے یہ خطوط قلم برداشتہ لکھے ہیں اور ان میں پوری صاف گوئی اور بے باکی سے اپنے حذبات و خیالات اور مختلف واقعات پرلینے رو عمل کا اظہار کیا ہے ۔ان خطوط میں تعلقات کی شیرین اور خلوص کا مہک پائی جاتی ہے۔انہوں نے اپنے خطوط سے نیاز فتح پوری مجنوں گُور کھپوری کی طرح تنقید نگاری اور ابوالکلام آزاد کی طرِح انشا پروازی کا کام نہیں لیا ۔ان کے خطوط نجی علائق وروابط کی تفسیر اور ذاتی و خاتگی معاملات کی تصویر ہیں ۔ لیکن اس بے تکلفی اور بے نیازی کے باوجو دان کے خطوط ادبی محاسن ، نزا کتوں اور ان کی زندگی اور شخصیت کے بارے میں اہم داخلی شہاد توں سے مملوہیں ۔" (۳۲) واقعہ یہ ہے کہ ڈاکٹر زور کے مکاسیب میں ان کی علمی و ادبی معروفیات ، درس وحدریسی مشخولیات، تصنیفی و تالیفی سرگر میوں کے پہلو بہ پہلوان کی شخصی اور نجی زندگی کے متعد د گوشے روشن نظرآتے ہیں ۔ان خطوط کے مطالعہ کے بغیر زور صاحب کی سیرت و شخصیت اور ان کے مختلف اٹھات علمی و ادبی اور شختیقی و سقیدی کار ناموں کا واضح اور مکمل خاکہ سامنے نہیں آیا اس لیے ان مکاتیب کی ایک خاص تحقیقی اہمیت ہے ۔ دنیائے علم وادب میں زور صاحب ایک بلند پیاییہ محق ، صاحب بصیرت نقاد ، با کمال افسانه نگار ،خوش گو شاع ، بے مثال سوانح نگار اور ماہر د کنیات و لسانیات کی حیثیت سے روشناس خلق ہیں لیکن خطوط کے آیسے میں وہ ایک طرف ہمدر د انسان ،مونس و غم گسار شوہراور منفق و مہربان بدر سے روپ میں جلوہ گر و کھائی دیتے ہیں تو دوسری طرف د کنی زبان وادب کے امکیب بے لوث خدمت گزار ، بزرگ رہمنا، شنیق اسآد مخلع دوست اور ار دو تحریک کے ایک فعال نمائندے کی حیثیت سے سلمنے آتے ہیں۔

حواشي:

(۱) ﴿ وَاكْرُكُو بِي چِند نارنگ - وَاكْرُ دُورِ كَ چِند خطوط مشموله "شيرازه" كشمير - متى ۱۹۶۳ - -ص ۱۹۴ -

(۲) سید رفیع الدین قادری - ڈاکٹر زور لندن میں ۔ مشبولہ سب رس - حید رآباد نومبر • ۱۹۸۰

-170

(١١) ايضا

(٣-٥-٣) به حواله سب رس -حيد رآباد - نومبر ١٩٨٠ - مل ٢٩-٣٩ -

(٩-٨-٤) الضاّ-ص٣١-

(١٠) به حواله سب رس (كرافي) ستمبر ۱۹۸۰ - ص ۵ -

(۱۱) خطوط ڈاکٹر زور مرحوم مشمولہ سب رس - کریجی - (زور نمبر) چنوری ۱۹۷۹ء - من ۲۳۵

(۱۲) ژاکٹرزور کی صاحب زادی

(۱۳) الفأ-مس۲۲۲-

(۱۲) الفأ-ص۲۲۳-

(١٥) ايضاً يص ٢٢٣-

(١٦) انضآرص ٢٢٢-

(۱۷) به حواله سب رس (کراچی) با سبّه ستمبر ۱۹۸۰ -

(۱۸) به حوالدسب رس (حید رآباد) باسته ستبرواکتو بر ۱۹۸۷ - مل ۲۵ -

(19) الفيآ-ص ١١-٢١-

(۲۰) خطوط زورمرحوم - سب رس (کراچی) ۱۹۷۹ - مس ۲۳۳ -

(۲۱) مشرف جنگ فیاض مشہور مصنف محمد نورالدین خال کے تایا تھے

(۲۲) به حوالدسب رس - حير رآباد - بات جنوري ١٩٨١ - مل ٢٠١

(۲۳) الفياً-س ۲۸-۳۸-

(۲۳) خطوط زورمرحوم مشموله سب رس (زور نمبر) کرایی ۱۹۷۹- می ۲۳۷-۲۳۹-

(٢٥) ايضاً ٢٣٣-

(۲۹) به حواله سب رس حيد رآباد بينوري ۱۹۸۷ - مس- ۳۰ - ۳۰

(PZ) سبرس زور نمير كراي 1949- من ٢٣٣- (٣٠-٢٩) اليضاً- من ٢٣٣-

(m) النيساء ص ٢٣٥ - (m) سب رس حيد رآباد - نومبر، وسمبر ١٩٩١، -ص ١٠.

ادبی تاریخ نونسی کی روایت اور ڈاکٹرزور

ڈاکٹر زور نقاد، ماہر لسانیات، ماہر دکنیات، افسانہ نگار، شاعر، سوائح نویس مرتب، مدون، معلم، ادبی مورخ سبھی کچھ تھے۔ بلاشبہ وہ اردو کے بہت برے محسن اور خدمت گذار ہے تھے۔ جہاں تک ان کی ادبی تاریخ نگاری کا تعلق ہے، اس میدان میں بھی انھوں نے تحقیقی ڈرف نگائی اور وسعت مطالعہ کا بجربور مظاہرہ کیا ہے۔ میں بھی انھوں نے تحقیقی ڈرف نگائی اور وسعت مطالعہ کا بجربور مظاہرہ کیا ہے۔ تاریخ اوب کے موضوع پران کی پہلی کتاب ۱۹۲۹، میں "اردوشہہ بارے "ک نام سے شائع ہوئی تھی ۔ ڈاکٹر زور کی مرتبہ تواریخ اوب پر روشنی ڈالنے سے جہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر ان کی تصانیف سے قبل لکھی جانے والی تواریخ ادب پر بھی سرسری نگاہ ڈالی جائے۔

ادبی تاریخ کے اولین نقوش مذکروں میں ملتے ہیں ۔ قدیم مذکرے ، لاکھ خامیوں کے باوجود مختلف شاعروں کے بارے میں کچھ نہ کچھ کام کی باتوں اور ضروری معلویات ہے ہمیں آگاہ کرتے ہیں ۔ بہ قول ڈاکٹر گیان چند "قدیم مذکروں میں حالات کی وہ تفصیل نہیں جو بعد کے حذکروں اور تواریخ ادب میں ہے لیکن اپن تنام کردوریوں اور فرو گذاشتوں کے باوجود ہم قدیم مذکروں ہے صرف نظر نہیں کر سکتے ۔ کردوریوں اور فرو گذاشتوں کے باوجود ہم قدیم مذکروں ہے صرف نظر نہیں کر سکتے ۔ مال ہامنی ہے انقطاع نہیں کر سکتا وہ مامنی پر قائم ہے ۔ ار دو کے محققوں کے ہے خشت اول بلکہ حبل المحتین یہی مذکر ہے ہیں جنمیں چتم کم سے نہیں دیکھناچاہیے(۱) ۔ میر تقی میر کے حذکر ہے ۔ نکات الشرا " (۱۹۱۵ ہے) اور حمید اور تگ آبادی کے "گشن میر تقی میر کے حذکر ہے احمد علی خاں شوق کے "حذکرہ کا ملان رام پور " (۱۹۲۹ ء) تک متعدد تذکر ہے سپرو قرطاس کئے گئے لیکن حذکرہ نگاروں سے ادبی تاریخ نویسی کی توقع نہیں کی جاسکتی اور مذکر وں میں زیادہ تر شاعروں کے حالات اور خصوصیات کلام کے نہیں کی جاسکتی اور مذکر وں میں زیادہ تر شاعروں کے حالات اور خصوصیات کلام کے بارے میں اچلتے ہوئے اشارے میں اچلتے ہیں۔ ادبی تاریخ کی تعریف میں وہی کتاب آئے گ

جس میں شاعروں اور نثرنگاروں دونوں کو جگہ دی جائے ۔۔۔ تذکر وں کے بعد تواریخ ادب ہی زبان وادب کے تدریجی ارتقاءاور اس کی عہد بہ عہد تبدیلیوں کی نشان ^وہی کرتی ہیں ۔۔ تذکر وں اور تواریخ اوب کے فرق و امتیاز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر گیان جند لکھتے ہیں:

" تذکرے حروف تہی کے اعتبارے مرتب کیے جاتے تھے تواری اوب تاریخ اوب تاریخ اوب تاریخ اوب تاریخ اوب تاریخ اوب اور اوبی اوب مرن افراد کی تاریخ نہیں ہوتی بلکہ اصناف اوب اور اوبی رحانات کا ارتقا بھی پیش کرتی ہے۔ جدید تاریخیں اوب کا مطالعہ اس کے سملی پس منظر میں کرتی ہیں یہ بالکل فطری ہے کہ ابتدائی تاریخیں ہماری جملہ تو قعات بوری نہیں کرتیں جس طرح بعد کے تاریخیں ہماری جملہ تو قعات بوری نہیں کرتیں جس طرح بعد کے تذکر وں کے مقابلے میں بالیدہ ہیں اس طرح توری توری ترین جس طرح بعد کے تواریخ اوب نے ابتدائی حذکر وں کے مقابلے میں بالیدہ ہیں اسی طرح توری توری کی مزلیں سری ہیں اسی طرح اوری کے ابتدائی کرتیں کرتیں سری ہیں اسی طرح کوری کے ابتدائی کرتی کی مزلیں سری ہیں "(۲)۔

اردو میں اوبی تاریخ نگاری کا نقطہ آغاز مشہور مستشرق گارساں و تاسی کی تاریخ اوبیات ہندوی و ہندسانی "کو کہا جاسکتا ہے۔اس کتاب کی پہلی جلد ۱۸۳۵ میں ، دوسری ۱۸۳۷ میں اور تعبیری ۱۸۱۱ میں شائع ہوئی (۱۳) ۔اس میں ار دو اور ہندی دونوں شعراکا تذکرہ شامل ہے سچوں کہ دتاسی نے یہ کتاب ہندوستان سے دور پیرس میں بیٹھ کر لکھی تھی اس لیے اس میں اغلاط کا پایا جانا کوئی تبخب خیز بات نہیں " تاریخ او بیات ہندوی و ہندوستانی "کو حواشی کے ساتھ مرتب کر کے ایک فرانسیسی رمرچ اسکالر لیلین نازرو نے ۱۹۹۱ء میں کراچی یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی فرانسیسی دمرچ اسکالر لیلین نازرو نے ۱۹۹۱ء میں کراچی یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی درسٹی ہے۔

انعیویں صدی کے اختتام سے پہلے محمد حسین آزاد کی مشہور زمانہ کتب آب حیات، (۱۸۸۱ء) شائع ہو چکی تھی ساس کتاب میں تذکر وں کے نقش قدم پرچلتے ہوئے صرف شاعروں سے سروکارر کھا گیا ہے سآزاد بنیادی طور پرشاعراور انشاپرداز تھے اور یہ قول شیلی وہ اگر گیس بھی ہانک دیں تو لوگ اسے وحی سجھتے تھے ساس کتاب میں خاکہ نگاری کے اولین نمونے اور اپنے عہد کی بولتی ہوئی تصویریں تو ضرور نظر آتی ہیں

لیکن اوبی تاریخ نگاری اور آداب بحقیق کے تقاضوں پریہ کتاب پوری نہیں اثرتی ۔ بہیویں صدی کی ابتدائی حین وہائیوں میں لکھی جانے والی تاریخ اوب سے متعلق کتابوں میں حکیم عبدالحق کی "گل رعنا " (۱۹۲۱ء) ، نصیرالدین ہاشی کی " دکن میں اردو (۱۹۲۳ء) ، حکیم شمس اللہ قادری کی " اردوئے قدیم " (۱۹۲۵ء) ، رام بابو سبسنیہ کی " تاریخ ادب اردو " (۱۹۲۷ء) اور محمود شیرانی کی " بنجاب میں اردو " (۱۹۲۸ء) کے نام انجیت کے حامل ہیں ۔

" گل رعنا" کے مصنف عبدالحیؒ نے "آب جیات" کی طرح اپن کتاب میں بھی صرف شاعروں سے سروکار رکھا ہے۔ جسیسا کہ اس سے تبطے بھی مذکور ہوا ہے کہ اولی تاریخ شعرا اور نثار دونوں کے جذکرے کے بغیر نامکمل ہوگ ۔ اس لحاظ سے "کل رعنا" کو تذکرہ نگاری کی روایت کی توسیع ہی کہا جائے گا۔

نصیر الدین ہاشی کی " دکن میں اردو " علاقائی ادبی تاریخن میں بہلی کتاب ہے اس کتاب کی اشاعت کے بعد اس کی تقلید میں متعدد علاقائی تاریخس جسے " پنجاب میں اردو " ، " سندھ میں اردو " ، " بنگال میں اردو " وغیرہ لکھی گئیں ۔ موجودہ تحقیق کی روشن میں ہاشی صاحب کے بعض بیانات تصیح طلب معلوم ہوتے ہیں ۔ تاہم یہ کتاب آج بھی دکنی ادب کے ایک اہم ماخذکی حیثیت رکھتی ہے ۔

صلیم شمس اللہ قاوری کی کتاب "ار دوئے قدیم " بھی د کنی زبان و ادب سے متعلق ہے ۔ اس میں اٹھارویں صدی کے رابع دوم سک کے شعری اور نثری کار ماموں کا مدلل جائزہ لیا گیا ہے۔ د کنی زبان و ادب پر شخصیقی کام کرنے والوں کے لیے "ار دوئے قدیم "حوالے کی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

رام بابو سنسنے نے اپنی کتاب " تاریخ ادب اردو " انگریزی میں لکھی تھی جس کاار دو ترجمہ ترمیم واضافے کے ساتھ مرزا محمد عسکری نے کیا ہے۔اس کتاب میں دکنی مصنفین کے بارے میں چند فرو گذاختیں ضرور ملتی ہیں تاہم یہ اردو کی چند اہم ادبی تواریخ میں شمار ہوتی ہیں ۔اس میں ابتداء ہے اکبرالہ آبادی تک کے شعرو ادب کا جائزہ لیا گیا ہے ۔ پروفیسر محمود شیرانی کی کتاب " پنجاب میں اردو " محقیقی نوعیت کی کتاب ہے۔اس میں تاریخ اردو کا تسلسل نہیں ملتا۔اردو زبان کے مولد



نک مجھے علم ہے اس کی بنا پر مجھے لقین ہے کہ یہ کام نہایت خوبی کے ساتھ ۔ منگسیل کو بہنچ سکے گا (۴) ۔ لیکن کسی وجہ سے ار دو شہبہ پارے کی دوسری اور جلد کی ترتیب و تد وین اور اشاعت کا کام پایه . تکمیل کو پہنچ نہیں سکا۔ ار دو شہد یارے کی پہلی جلد جملہ ۳۸۴ صفحات پر تھیلی ہوئی ہے جس میں ، متقدمہ ، فرہنگ ، اشاریہ اور صمیموں کے علاوہ علی عادل شاہ ثانی ، محمد قلی شاه ، عبدالند قطب شاه ، ملك الشعرا غواصي ، ابن نشاطي ، شاه راجو ، ابوالحسن ا کی تصویریں ، کلیات محمد قلی کے قلمی نسخے کی بعض منظو مات کے عکس کے علاوہ سے عہد ولی تک کی شعری اور نثری تصانیف کے اتنخابات بھی شامل ہیں ۔ شہبہ پارے " کو ڈا کٹرزور نے درج ذیل چار ابواب میں تقسیم کیا ہے: ار دوادب کی ابتدائی کو ششیں (۲) ار دوادب یجاپور میں ۱) ار دوادب گولکنڈہ میں (۳) ار دوادب مخلوں کی حکومت میں ب میں ابتدأ شمالی ہند کے شعرا مسعود سلمان اور امیر خسرو کا ذکر کیا گیا ہے اور ت و د کن کے سخنوروں باحن ، علی گام دھنی ، خوب محمد ، عین الدین کنج العلم ، بندہ نواز،عبداللہ حسینی کی ار دوخد مات پر روشنی ڈالی ہے۔ و و سرے باب میں دبستان بیجابور ہے متعلق شاعروں اور نٹرنگاروں کے ادبی . ں کا جائزہ لیا گیا ہے ۔اس خصوص میں میراں جی شمس العشاق ، برہان الدین مقیمی ، امین ، صنعتی ، رستمی ملک خوشنود ، ملک الشعرا نصرتی ، ہاشمی بیجاپوری . غیرہ کے واقعات حیات اور ان کی اد بی خد مات کا وستیاب مواد کی روشنی میں ہا گیا ہے ۔اس باب میں ڈا کٹرزور نے علی عاول شاہ ثانی شاہی کی شعری خد مات نہ جائزہ اس لیے نہیں لیا ہے کہ غالباُاس وقت تک شاہی کے دیوان کا بتیہ نہیں ا تھا ۔ ملک خوشنود کی شنوی " جنت سنگار " کے سہواً انھوں نے دو عام " بازار اور " یوسف زلیخا" بتائے ہیں ۔ نصرتی کی حیات اور شاعری کا مفصل جائزہ لیتے س کی مثنوی نگاری اور قصیدہ گوئی پراحمی بحث کی ہے۔ مثنوی نگاری کے سلسلے وں نے نعرتی کی صرف دو مثنویں " گلٹن عشق " اور " علی نامہ" کے نام لیے ہیں : استندری " کا ذکر نہیں کیا غالباً یہ مثنوی بھی اس زیانے تے اہل علم کی لگاہوں ہے او جھل رہی اس باب میں بعض شاعروں اور نٹرنگاروں اور ان کی تصانیف کا پہلیٰ بار اس کتاب میں تذکرہ ملتاہے۔

سیرے باب میں "ار دواوب گولکنڈہ میں "کے عنوان سے قطب شاہی عہد کے شعرواوب کے منعقین کی ادبی خدیات کا اجمالی جائزہ یا گیا ہے۔اس باب کو ڈاکٹرزور نے "ابتدائی تحریکات "اور" ار دواوب کا سنری دور کیا ہے۔اس باب کو ڈاکٹرزور نے "ابتدائی تحریکات "اور" ار دواوب کا سنری دور کو کے زیر عنوان مزید دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے جصے میں فیروز اور محمود کو دہستان گولکنڈہ کے اولین شاعروں کی حیثیت سے متعارف کر وایا گیا ہے اور دو سرے حصے میں محمد تلی قطب شاہ ،اسد الله و جہی ،احمد گجراتی ، میراں جی خدا تما، حسن شوتی ، ملاخیالی ،عبدالله قطب شاہ ،غواصی ، قطبی ،سلطان ،جنیدی ابن نشاطی ، میراں یعقوب طبعی ،امین ،ابوالحن تاناشاہ ، فائز،لطیف،نوری ،شاہی ،مرزااور غلام علی کی نظم و نتر کی خصوصیات سے بحث کی گئ ہے اور بعض مصنفین کے منتخب ادبی تمونے بھی بھی بیش کیے گئے ہیں۔

ڈا کٹر زور کو ملاخیالی کے زمانے کا تعین کرنے ہیں سہو ہوا ہے۔ چتاں چہ خیالی کو انھوں نے محمد قطب شاہ کے دور (۲۰۰ھ۔ ۱۰۳۵ھ) سے متعلق شعرامیں شمار کیا ہے حالاں کہ وہ ابراہیم قطب شاہ کے عہد (۹۵۷ھ۔ ۱۹۸۸ھ) کا شاعراور نیروز اور محمد تھا۔ محمد قطب شاہ کے کلام کا ممونہ بیش کرتے ہوئے ڈاکٹر زور نے صفحہ ۱۶۹۹۔ ۱۸۰ پر درج ذیل منظومات ممونہ تا بیش کی ہیں:

صفحہ ۱۹۱۹ میں درج زیل منظومات نمونیاً پیش کی ہیں:

4 پھیسیلی سوں لگیا ہے من ہمارا کو خداداد محل کوں محمد سنوارا

4 ہوا آئی ہے لیکے بھی تھنڈ کالا کو جندنی میں للک جب پیو ہمارا

یہ چاروں منظومات محمد قطب شاہ کی نہیں بلکہ محمد قلی قطب شاہ کی ہیں ۔ بعد کو ذاکر روز نے جب کلیات محمد قلی کی ترتیب و حدوین کی تو خود انھوں نے مذکورہ کلام لو بالترتیب میں ۱۲۳۸ پر شامل کیا ہے ۔ اسی طرح عبداللہ قطب شاہ کی بالترتیب میں ۱۲۳۸ پر درج زیل غزلوں کا بھی انتخاب کیا گیا ہے ۔ یہ غزلیں شاعری کے منتخبات میں میں ۱۳۳۹ پر درج زیل غزلوں کا بھی انتخاب کیا گیا ہے ۔ یہ غزلیں دراصل ملک الشراغوامی کی ہیں اور اس کے قلمی دیوان میں بالترتیب صفحہ نمبرور ق

* گفتم کہ اے پری تو ہے فتنہ ، زمانہ * اے پری پیکر ترا مکہ آفتاب عواصی کی نو دریافت "اس کتاب کی افراقت "اس کتاب کی افراقت ہوئی ہیں اس لیے ان شنویوں کے تذکرے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ار دو شہہ پارے کے چوتھے اور آخری باب میں عہد ِ مغلیہ کے شعراء اور نثر نگاروں کے چند منتخبات پیش کیے گئے ہیں اور ان کی ادبی خوبیوں پرروشنی ڈالی گئ ہے اس باب کو ڈاکٹرزور نے مندرجہ ذیل چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) شمالی مهند میں ار دو (۲) بر کن میں ار دو

(۱۳) مرشیه نگار (۲۰) نترنگار

سلے جسے میں شمالی ہند کے شاعروں افضل ، شیخ جیون اور جعفر زملی کے واقعات حیات اور ان کے شعری محاس بیان کیے گئے ہیں ۔ دوسرے جسے میں دکن اور گرات کے مندرج ذیل شعرا پراجمالی نظر ڈالی گئ ہے:

عاجز، ضعیفی ، ذو تی ، بحری ، مجرمی ، احمد ، ولی ویلوری ، اشر**ف ،** عشر**تی ،** ولی اور نگ آبادی ، شاه محمد اور وجدی –

تعیرا حسہ اس دور کے مرشیہ نگار اور ان کے کلام کی خصوصیات پر مبنی ہے جس میں امامی ، رمنی ، سید ، غلامی ، قادر اور ہاشم علی کے غیر مطبوعہ مرثیوں کو زیر بحت لایا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ہر شاعر کے مراثی کا انتخاب بھی پبیش کیا گیا ہے ۔اس باب کا آخری حصہ مغلیہ وور کے نثری کارناموں سے متعلق ہے جس میں نامعلوم مرجم کی قلمی کتاب "طوطی نامہ" اور نامعلوم مصنفین کے قصے " اخلاق ہندی " اور شریعت نامہ کو متعارف کر وایا گیا ہے اور ان کی نثر نگاری کا انتخاب بھی ویا گیا ہے۔

اس باب کے دوسرے حصے میں عاجز تخلص کے قلد میم شاعر کی مثنوی " ملکہ ، مصر کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔لیکن مذکورہ مثنوی کا مصنف عاجز نہیں بلکہ " محمود " ہے جس كا نام اس ميں بار بار آيا ہے۔ ولى و يلورى كا تذكره كرتے ہوئے ڈاكثر زور نے سوا اس كى ويگر تصانيف "روضته الانوار، روضته العقبیٰ، دعائے فاطمه اور اگر و ملا گير "كا ذكر نہيں كيا تاہم اس بات كا توى امكان ہے كه ان ميں سے چند شوياں اس كتاب كى افاعت كے بعد دريافت ہوئى ہوں۔ ولى ويلورى كى شنوى "روضته الشهدا" كتاب كى افاعت كے بعد وريافت ہوئى ہوں۔ ولى ويلورى كى شنوى "روضته الشهدا" كے بارے ميں زور صاحب كا درج ذيل تبھرہ حقائق پر مبنى ہے:

"اس کو (دہ مجلس کو) ولی اور نگ آبادی کی تصنیف خیال کیا جاتا ہے لیکن راقم کی رائے میں " دہ مجلس "اس مشہور و معروف ولی کی تصنیف نہیں بلکہ یہی "روضتہ الشہدا" ہے جس کا نام دہ مجلس بھی ہے ۔ اور نگ آباد کے ولی نے اس نام کی کوئی تصنیف نہیں لکھی ہے ۔ حال ہی میں ولی کاجو کلیات طبع ہوا ہے اس میں دہ مجلس کے جو چند اشعار درج ہیں وہ فی الحقیقت و یلور کے ولی کے ہیں "(۵) ۔

اس باب کے تعیرے حصے میں مغلبے دور کے مرخیہ نگاروں کو پہلی بار متعارف کروایا گیا ہے۔ اس حصے کے مطالعہ سے زور صاحب کی غیر معمولی تحقیقی اور تعقیدی صلاحیتوں کا بتیہ چلتا ہے۔ انھوں نے منہ صرف یہ کہ مختلف مخلوطات اور تلمی بیاضوں کی چھان بین کرے غیر مطبوعہ مر ثیوں کی ترتیب وحدوین کی ہے بلکہ ان کے مصنفین کے واقعات جیات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

مخصریہ کہ چند ایک معمولی تسانحات سے قطع نظر" ار دوشہہ پارے "ار دوئی اولین اور معتبر تواریخ اوب میں شمار ہوتی ہے ۔ ڈاکٹر زور نے جس زمانے میں یہ کتاب قلم بندگی یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ار دوادب اپنی تہی دامانی کاشکوہ کر رہاتھا۔ ڈاکٹر دور نے ممکن الحصول ذرائع سے دستیاب معلومات اور مواد کی روشنی میں ار دوشب پارے کو ایک مستند کتاب بنانے کی بجرپور کوشش کی ۔ تاہم وہ اس بات سے بھی بہ نوبی واقف تھے کہ اس نوعیت کے تحقیقی کام کبھی بھی مکمل اور حرف آخر ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے سجتاں چہ لکھتے ہیں:

" اس امر کا کوئی بھی شخص دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں جو کام پیش کررہاہوں وہ ہر حیثیت ہے مکمل ہے۔آئے دن وکنی دور کی جونی نی کتا ہیں برآمد ہوتی جاتی ہیں ان کی رفتار ظاہر کرتی ہے کہ بہت جلد ہمیں اس جلد کا ضمیمہ یا دوسرا حصہ شائع کرنا پڑے گا۔ بہ حالت موجودہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کتاب میں ان تمام للمی تصنیفات کے انتخابات دے دیے گئے ہیں جو اس وقت دست یاب ہوسکی ہیں یا جنمیں ادبی حیثیت حاصل ہے ، یہی حال مقدمہ کا بھی ہے جس میں ان شہ پاروں اور ان کے مصنفین پر تاریخ حیثیت سے نظر ڈالی گئ ہے۔ یہ بھی اس دور کے ادب اردو کی ایک مکمل تاریخ نہیں ہوسکتی جتنی معلومات فراہم کی جاسکتی تھیں ان کے پیش کرنے کی حتی اللمکان کو شش کی گئے ہے "(۱)۔

عہد عنمانی میں اردو کی ترقی: یہ کتاب ۲۰۹ صفحات پر مشمل ہے اور اس کا پہلاایڈ بین ۱۹۳۴ء میں اعظم پریس حید رآباد ہے شائع ہوا۔ "عہد عنمانی میں اردو کی ترقی "جیسا کہ اس کے نام ہے ظاہر ہے آصف جاہ سابع نواب میر عنمان علی خال کے بچیس سالہ دور حکومت میں اردو شعروادب کی نشوو نما کے جائزے پر مبنی ہے ۔ ڈا کنر زور نے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ۔ پہلا حصہ نواب میر عثمان علی خال کی فیانسانہ اردو نوازیوں کا احاظہ کرتا ہے جس میں ایک طرف خسرو دکن کی اردو شاعروں ، انشا پردازوں ، الجمنوں اور اداروں کی سرپرستی کی تفصیلات بیان کی گئ ہیں تو دوسری طرف اس دور کے اردو رسائل اور اخبارات کوسلطان دقت کی امداد ہیں تو دوسری طرف اس دور کے اردو رسائل اور اخبارات کوسلطان دقت کی امداد ہیں تک سند کی گئرزور کا بیان ہے کہ اس بچیس سالہ دور میں لگ بھگ چار ہزار کتا ہیں قلم بندگی گئیں "(٤)۔

"عہد ِعثمانی میں اردو کی ترتی "کے دوسرے جھے میں اس علم دوست بادشاہ کی سرپرستی اور قدر افزائی کے ہمہ گیر اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس سلسلے میں فرزندان جامعہ، عثمانیہ اور جامعہ، عثمانیہ کے باہر کے شعرا، اور ادیبوں کی اردو خدمات کا انفرادی خدمات کے عنوان سے جمل جائزہ لیا گیا ہے اور اجتماعی خدمات کے فرمان درج ذیل الجمنوں اور اداروں کی ادبی سرگر میوں پر روشنی ڈالی گئ ہے۔

(۱) الجمن ارباب اردو (۲) مكتبه ابراہيميه (۳) مجلس علميه (۴) بزم اردو نظام كائ (۵) مسلسله ادبيات اردو (۲) المريرى اكيدي (٤) الجمن طلبات مسلسله ادبيات اردو (۱) المريرى اكيدي (٤) الجمن طلبات قديم سنى كالج (۹) الجمن ترتى دُرامه (۱۰) بزم تمثيل -

اس جھے میں زبان کی اصلاح و ترتی اور حیدرآباد کے باہر دوسری ہندستانی زبانوں کے مقاطع میں اردو کے استحکام اور اس کے غیر معمولی انرات کی نشان دی بھی کی گئی سے ساس سلسلے میں دور عِمثانی کے ۱۵۲شحرااور ادیبوں ، ۱۱ بخمنوں اور اداروں اور ۱۸۲خباروں اور رسالوں کا تذکرہ زیر بحث آیا ہے۔

ڈا کٹرزور نے دور عثمانی کی اردوخد مات اور شاہی سرپرستی کا عہد ہائے مامنی کے علم دوست سلاطین کے علاوہ دہلی اور لکھنو کے ادب پرور حکم رانوں سے تقایل کرتے ہوئے لکھاہے:

" حصرت سلطان العلوم کا دور حکومت اردو کی ترقی کے لحاظ سے گذشتہ تمام عہدوں ہے ممآز ہےاوریہ امتیازیہ صرف د کن کے عہد ہائے ماضی تک محدود ہے بلکہ تمام ہندستان میں کہیں اور کسی وقت مجمی ار دو زیان اور ادب کی سربرستی اس اعلیٰ پیمانه پر نہیں کی گئی ۔ د ہلی کے آخری چند فرماں روا ، محمد شاہ ، شاہ عالم ، اکبر شاہ اور بہادر شاہ ظفر، مکھنو کے دو تین حکم ران مشلاً آصف الدولہ اور واجد علی شاہ ار د و شعر و سخن کی قدر دانی کی وجہ سے مشہور ہیں لیکن ان میں سے بھی کسی نے ار دو کی تعمیرایسی مشخکم بنیادوں پر نہیں کی جو عہد عثمانی میں محض سلطان العلوم کی مآل بینیوں کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئیں ۔عہد رفتہ کی تمام اردونوازیاں صرف ادبیات اور شعر و یخن حک محدود تھیں لیکن اس عہد میں ار دو کو اس قدر وسعت دی گئ کہ وہ دنیا کی بڑی سے بڑی زبانوں کی طرح ہر قدیم سے قدیم اور جدید سے جدید علوم و فنون و حکمیات کی حامل ہو گئ ۔ یہ وہ خصوصیت ہے جو ہندستان کی کسی اور زبان کو اب تک حاصل نہ ہوسکی * (۸) – · عهد عثمانی میں اروو کی ترقی " لینے موضوع پر ایک مکمل اور مستند دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کے مطالعہ ہے ایک طرف نواب میر عثمان علی خاں کی علم دوستی اور اہل علم کی قدر افزائی پرروشنی پڑتی ہے تو دوسری طرف ڈا کٹرزور کی محقیقی و تتقیدی صلاحیتوں اور تاریخ وادب پران کے مطالعے کی وسعت کااندازہ ہو تاہے۔ **واستان اوب حبید آباد**: « دا کرزور ی مولعهٔ ادبی تواریخ مین " واستان اِوب حيدرآباد "كي اجميت ابل نظرے بوشيده نہيں ، يه كتاب بھي دراصل "اردو شهر پارے " اور عہد ِ مثمانی میں ار دو کی ترتی " کی طرح تاریخ ِ ادب کے تسلسل اور حیدرآباد کی ادبی تاریخ پر محیط ہے۔ ۲۲۲ صفحات پر مشتمل اس کتاب کی پہلی اضاعت ۱۹۵۱ء میں طارق پریس حیدرآ باد ہے عمل میں آئی ۔داستان ادب حیدرآباد میں ۴۰۰ ھ ہے ۱۳۷۰ھ تک کے اردو ، فارس اور عربی تینوں زبانوں کے شعرا اور مثر نگاروں کے علمی و اد بی کار ناموں ہے متعلق ضروری اور اہم معلومات فراہم کی گئی ہیں ۔ار دو کے ساتھ عربی و فار ہی شعرا اور ادیبوں کی اس کتاب میں شمولیت کا جواز پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر زور نے لکھا ہے ۔" گذشتہ نصف صدی سے حیدرآباد میں اجتماعی طور پر ار دو ہی کی طرف زور دیا گیا اور شہرے وہ با کمال پس منظر میں جلے گئے جھوں نے عربی و فارس کے ذریعے ہے اپنی صاحب کمالی کے نبوت دیے تھے ۔حالاں کہ اس شہر کی تہذیب و شانستگی سے سنوار نے میں وہ نہ صرف شریک بلکہ شریک عالب رہے ہیں " (٩) ہوں کہ ڈا کٹرزور نے قطب شاہی اور آصف جاہی عہد کی تاریخ وادب کو بہ طور خاص این تحقیق کا موضوع بنایا ہے اس لیے مختلف ادوار میں حیدرآباد میں ا بجرف والى على واد في تحريكون اور ان كے يس مظرم بهلوب بهلو جمله ارباب كمال کے مختصر واقعات حیات اور ان کے رشحات قلم کی خصو صیات سے بھی قارئین کو واقف کروانے کی بھرپور کو شش کی ہے ۔ داستان ادب حیدرآباد کو ڈا کٹر زور نے درج ذیل دس ابواب میں منتقسم کیاہے۔

(۱) ابتدائی دور (۲) مهداین خاتون و این نشاطی (۵۰ هـ تا ۱۳۰۰ه)

(۳) دور انتشار (۱۹۰۰ه تا ۱۵۰۰ه)

مذکورہ ابواب کی تقسیم اور ان کی وسعت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈا کٹرزور لکھتے ہیں کہ ان میں سے ہراکیہ اتنی وسعت اور اہمیت رکھتا ہے کہ اس پر ایک علاصدہ اور ابدو بسوط کتاب لکھی جاسکتی ہے (۱۰) ساس کتاب میں حیدرآباد میں عربی ، فارسی اور ار دو ادب کے اولین مخونوں سے لے کر تالیف کے وقت تک جملہ ارباب علم وفن اور ان کے کار ناموں کا تعارف نہایت خوش اسلولی کے ساتھ کروایا گیا ہے۔

" واسان اوب حیدرآباد" کی جامعیت اور ادبی اہمیت پر روشنی ڈلنے ہوئے ڈا کٹر مییاالدین انصاری تحریر کرتے ہیں:

> " یہ حیدرآباد کی ادبی اور علی زندگی پر اچی اور جامع کتاب ہے۔ موجووہ زبانے کے لحاظ سے سب سے زیادہ اہم اور دل چپ باب جامعہ عثمانیہ سے متعلق ہے۔اس کے قیام کے بس منظر، اس کی تاریخ اور اس کے ساتھ دارالترجہ کے علی و ادبی کارناموں کی تفصیلات آج بھی معنوبت رکھتی ہیں "(۱۱)۔

جامعہ عمتانیہ اور دارالترجمہ کے قیام کے سلسلے میں نواب صدر یار بحثگ مولانا جبیب الرحمن خال شروانی نے ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں ۔ مولانا موصوف تحریک جامعہ عمتانیہ کے اہم ترین علم برداروں میں شامل تھے اور خود انھوں نے بہ حیثیت صدر الصدور امور مذہبی اس کے قیام کی اجازت مرحمت فرمائی تھی لیکن نہ جانے کیوں ڈا کر زور نے اس اہم کتاب میں ان کا تذکرہ نہیں کیا۔ حالاں کہ "عہد عمتانی میں اردو کی ترتی " میں ان کا تذکرہ موجود ہے۔

و کنی اوب کی تاریخ: ۱۸۸ صفحات پر مشمل به کتاب ۱۹۹۰ میں کر ابی اردو اکیڈی کی کا جائے ہوئی ۔ تاریخ اوب سے متعلق ڈاکٹر زور کی دیگر تصانیف میں یہ کتاب اضافے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں ۱۳۵۰ سے ۱۵۰ تک اردو زبان واوب کے قدیم مراکز گلبرگہ، بیدر، پیجاپور، گول کنڈہ اور اور نگ آباد کے شعرا اور اور بیک آباد کے شعرا اور اور بیک مفصل تاریخ بیان کی گئی ہے۔ "دکن ادب کی تاریخ "کو ڈاکٹر زور نے کھے ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ تبلے باب میں "بہمی دور " (۱۳۵۰ - ۱۵۲۵) کے تاریخ، سملتی اور تہذیبی بس منظر کے علاوہ اس دور کے دس شاعروں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن میں حضرت خواجہ بندہ نواز، نظامی بیدری، مشاق، لطفی، فیروز، میراں جی شمس العشاق اور اشرف کے نام قابل ذکر ہیں۔

دوسرا باب "عادل شاہی دور " (۱۳۹۰-۱۲۸۱) کی علی و اوبی خدمات کا احاطہ کرتا ہے۔ اس باب میں بیجابور کی عادل شاہی سلطنت کے تاریخی اور سماتی پس منظر حصال جائزہ لیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ دبستان بیجابور کے ادبیوں اور سخن وروں کی خدمات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس مسلسلے میں ابراہیم عادل شاہ ، برہان الدین جانم ، عبدل ، قطب رازی ، مقیی ، اسین ، دولت ، مرزاظہور ، حسن شوتی ، رستی ، ملک خوشنو و ، علی عادل شاہ شا ہی ، اسن الدین اعلیٰ ، ہاشی بیجابوری اور دوسرے شاعروں اور ادبیوں کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ چوتھے باب میں " ابتدا " قطب شاہی عہد " (۱۹۰۸ - ۱۹۸۱ ء) کے سیاسی اور سماتی پس منظر کو اجا کر کیا گیا ہے اور بھر سلاطین گول کنڈہ کی علی و اوبی سرپر ستی پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس دور کے ار دو شعرا اور او باء کی خدمات کا روشنی ڈالی گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس دور کے ار دو شعرا اور او باء کی خدمات کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔ اس باب میں شامل چند اہم مصنفین کے نام یہ ہیں:

و چی ، تمد قلی قطب شاہ ، احمد گجراتی ، عواصی ، عبداللہ قطب شاہ ، ابن نشاطی ، میراں یعقوب ، جنبیدی ، طبعی ، میراں جی خدا نماو غیرہ ۔

پانچویں باب "منل عہد" (۱۹۸۶ء۔۔۵۰۰ء) میں زوال گول کنڈہ و بیجاپور کے بعد حید رآباد اور اور نگ آباد میں نشوو نما پانے والے ار دو ادب کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس دور کے شعرا میں قامنی محمود بحری ، ضعیفی ، عشرتی ، ذوتی ، وجدی ، فراتی ، و یٰ و بلوری ، جعفر زلملی ، ولی اور نگ آبادی ، داؤد اور سراج اور نگ آبادی کے عام اہم ہیں۔

چھٹے باب کے عنوان" د کئی اوب کا اثر شمالی ہندگی ار دوپر" ہی سے ظاہر ہے کہ اس میں ڈاکٹر زور نے شمالی ہند میں د کئی شاعری کے جنتی اور تسلسل کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے اور شمالی ہند کے اولین شاعروں کے کلام پر د کن شاعری کے اثرات کی نشان د ہی کی ہے۔

اس کتاب کے مقدمہ میں ڈاکٹر زور نے دکنی ادب سے متعلق اپنی تالیف "ار دوشہہ پارے "کالاکرہ کرتے ہوئے لکھاہے:

"ار دوشہہ پارے" نے ار دو زبان کی ادبی تاریخ کو طوالت بخشنے اور ار دو کی قدامت اور بزرگی میں بڑا حصہ لیا تھا مگر اپنے موضوع پر ابتدائی کو شش ہونے کی بنا پر اس میں بعض خامیاں بھی تھیں ۔ بعض شاعروں کے حالات میں قطعیت نہ تھی اور بیانات ظن اور قیاس پر مبنی تھے "(۱۲)۔

کتاب آج بھی دکنی ادب کی ایک مقبول اور معتبر تاریخ سمجھی جاتی ہے۔ اردو کے اسالیب بیان: ڈاکٹر زور کے مرتبہ تواریخ ادب کی ایک کڑی "اردو کے اسالیب بیان" ہے تاہم اس کتاب کا شمار اردو نشر کی تواریخ ادب کے

"اردو کے اسالیب بیان " ہے تاہم اس کتاب کا شمار اردو نفر کی تواریخ ادب کے زمرے میں ہوگا۔اس قبیل کی دیگر اوئی تاریخوں میں سب سے جہلے محمد یحییٰ تہنا کی سیر المصنفین (دوجلدیں) ۱۹۲۴۔ میں منظر عام پر آئی ،اس کے بعد احسن مار ہروی کی کتاب "نموند، منشورات " کے نام ہے ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی اور مجر سید محمد اور حامد حسن قادری کی کتابیں "ارباب نِشراردو" اور "داستان تاریخ اردو" علی التر تیب ۱۹۲۹۔ اور

۱۹۴۱ء میں منظرعام پر آئیں ۔

"ار دو کے اسالیب بیان" ابتداً ایک طویل مضمون کی صورت میں لکھا گیا تھا اوریہ" ہمیل" علی گرھ کے اپریل اور جولائی ۱۹۲۹ء کے شمارے میں قسطوں میں شائع ہوا تھا۔اس کے بعد ترمیم واضافے کے ساتھ اس کا پہلا ایڈ بیشن ۱۹۲۷ء میں کتابی صورت میں منظر عام پرآیا۔موجودہ شکل میں یہ کتاب ۱۹۲۱ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ محمد یحی تہنا کی "سیر المصنفین" کے بعد"ار دو کے اسالیب بیان "پہلی ادبی تاریخ ہے محمد یحی تہنا کی "سیر المصنفین" کے بعد"ار دو کے اسالیب بیان "پہلی ادبی تاریخ ہے میں ار دو نیز کے ابتدائی مخونوں سے لے کر کتاب کی تالیف کے وقت تک کے جس میں ار دو نیز کے ابتدائی مخونوں سے لے کر کتاب کی تالیف کے وقت تک کے جمام انشا پردازوں کے کار ناموں کاعہد یہ عہد رو نماہونے والے تغیرات اور رجحانات کے پس منظر میں جائزہ لیا گیا ہے۔ ڈا کر زور نے اس کتاب کو درج ذیل ابواب میں تقسیم کن

- (۱) ار دو زبان میں نثر کے ابتدائی کار نامے
- (۲) د سویں صدی جمری کے بعد د کن میں نثر کی نشؤ و نما
 - (m) شمالی ہند میں نثر کے ابتدائی مراحل

 - (۵) غدر اور اس کے قریبی زمانے میں نثر کی حالت
 - (۱) سرسید کی کوشش کا اثر
- (۷) موجو دہ انشا پر دازوں کی نثر اور اس کے اسالیب
 - (۸) ار دو نثر کے رجحانات

(۹) ار دونثر کا مستقبل

حواشي:

- (۱) پرونسير گيان چند جين ذکر و فکرص ۲۱۳ -
 - (٢) الفاً ٢٢٠ـ
 - (٣) الضاء
- - (۵) الضآص ۱۳۵
 - (۲) ايضاص ۲-۷-
 - (۷) ژاکٹرزور عبدعثمانی میں اروو کی ترقی ص ۸
 - (۸) ايضاص ۱۲-
 - (٩) قاكرزور _ داستان دب حيد رآباد _ص ١٣ _
 - (١٠) الضاص ١١-
- (۱۱) في الدين انصاري زور صاحب كي تصانيف كاتعارف مشموله " محى الدين قادري زور مصاحب كي تصانيف كاتعارف مشموله " محى الدين قادري زور مصاحب كي تصانيف كاتعارف مشموله " محى الدين قادري زور مصاحب كي تصانيف كالمحتال المحتال الم
 - (۱۲) قاكرُ زور دكن ادب كي تاريخ من ، -

0 0 0

ڈاکٹرزور بہ حیثیت مُدوّن مِتن

حدوین بتن کے میدان میں ڈاکٹر زور کے کار عاموں کا جائزہ لینے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عدوین متن کے بارے میں ابتدائی معلومات اور پنیادی باتوں کا علم حاصل کیا جائے ۔ تدوین متن ادبی تحقیق کا ایک اہم شعبہ ہے ۔ انگریزی میں اے Textual Criticism کہتے ہیں ۔ڈاکٹر خلیق انجم نے اس کاترجمہ " متنی تتقید " کیا ہے لیکن ار دومیں تنقید کی اصطلاح ایک الگ مفہوم رکھتی ہے اور ادب کے ایک جداگانہ شعبہ پراس کا اطلاق ہو تاہے۔ جس میں کسی ادب پارے کے محاسن و معائب کا جائزہ لے کر اس کی ادبی قدر و قیمت متعین کی جاتی ہے۔ متنی تنقید کی اصطلاح سے ذہن ادب پارے کی قدر بندی کی طرف جاتا ہے اس التباس سے بجنے کے لیے ڈا کٹر گیان چند نے متنی تنقید کے بجائے تندوین متن کی اصطلاح کو ترجیح دی ہے (۱) ار دو میں اس کے لیے ترتیب من کی اصطلاح بھی مروج ہے ۔ ترتیب ادر حدوین قریب المعنیٰ ہیں ۔ ترحیب کے معنیٰ کسی شے سے اجراء کو مناسب تقدیم و تاخیرے ر کھنا ہے ۔ تدوین کے معنیٰ متفرق اجزاء کو اکٹھاکر کے ان کی شیرازہ بندی کرنا ہے (۲) سترتیب ایک عام لفظ ہے سعدوین کا تعلق کمایوں سے ہے۔اس لیے عدوین متن ا کی نہایت مناسب اصطلاح ہے۔ گفتگو کو آگے بڑھانے سے قبل یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ تدوین بتن سے کیا مراد ہے ۔جناب رشید حسن خاں نے تدوین بتن کی تعریف اس طرح کی ہے " کسی بتن کو اس طرح پیش کر ناجس طرح مصنف نے اسے آخری بار لکھا تھا۔اس عمل کا نام تدوین ہے (۳) ۔

تدوین بتن، کسی شاعریا ادیب کی کسی تصنیف کے مختلف تلمی یا مطبوعہ نسخوں کے تقایلی مطالعہ کے ذریعہ اس کے متن کی،اس صورت کی بازیافت کو کہتے ہیں جو مصنف کے ذہن میں تھی۔ڈا کٹرخلیق الجم لکھتے ہیں: " متنی تنقید [حدوین متن] کا اصل مقصد حتی الا مکان متن کو اصل روپ میں دوبارہ حاصل کرنا ہے۔ اصل روپ سے مراد وہ روپ ہے جو متن کا مصنف اپنی تحریر کو دیناچاہیا تھا" (٣) ۔

بعض دفعہ کسی متن کے متعد د تسخ ملتے ہیں۔الیبی صورت میں اس کے مختلف تسخوں کا تقابلی مطالعہ کر سے صحح متن تیار کیاجا تا ہے۔لیکن کبھی کبھی کسی متن کا ایک ہی نخہ ملتا ہے جبے وحید نسخہ کہتے ہیں۔الیبی صورت میں اسی ایک نسخے کا مطالعہ کر کے مصنف کے اصل متن کی باز تشکیل کی کوشش کی جاتی ہے۔

معودین متن ایک نہایت دیدہ ریزی اور عرق فشانی کاکام ہے۔ بعض محقوں مثلاً رشید حسن نماں نے اسے شخصی سے آگے کی مزل بتایا ہے (۵) ستدوین متن کاکام انجام دینے کے لیے محقق میں شخصی صلاعیتوں کے علاوہ اور بہت سے اوصاف کا ہونا محص لازمی ہے جیسے علم بیان ، علم محانی اور علم بدیع پر وہ ماہرانہ عبور رکھتا ہو علم عروض ، قافیہ ور دینے اور مختلف اصناف کن کی شعریات سے اتھی طرح آشناہو سلفظ اور املاک مسائل کا رمزشناس ہو ۔ زبان کے قدیم اسالیب اور دبستانی اختلاف کا علم رکھتا ہو ۔ فارسی زبان سے واقف ہو ۔ فنطوطہ شاس میں ملکہ رکھتا ہو اور سب سے بڑھ کر تدوین کے طریقہ یکار اور اصول و آواب سے ذمنی لگاؤاور مزلتی مناسبت رکھتا ہو ۔ ان صلاحیتوں کے بغیر وہ متن کے حواثی ، مقدمہ ، متن کا ذمانہ تصنیف ، مصنف سے متن کا انتساب ، مصنف کے عہد ، زمانہ کتا بت ، دانھی شو اہد کے تعین اور ایسی بہت می دیگر وضاحتوں سے عہدہ برآنہیں ہوسکتا ۔

جہاں تک ڈاکٹر زور کے تدوین کارناموں کا تعلق ہے مبداء فیاض نے انھیں تحقیقی مزاج کے ساتھ ساتھ تدوین متن کے لیے ورکار مذکورہ بالا صلاحیتوں سے بھی نوازا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے قدیم ادب کے شہہ پاروں کی تدوین میں بے نظیر کارنامے انجام دیے ۔ ان کی کاوشوں کے سبب متعدد دار دوشہہ پارے گوشہ۔ کمنائی سے نکل کر منظر عام کی رونق ہے ۔ ذیل میں ڈاکٹر زور کے تدوین متن سے متعلق کارناموں کا مفصل جائزہ لیاجا تاہے۔

ككزار إبرابه هيم: ﴿ وَاكْرُزُورِ نِي الْجُنِ تَرَتَّى اردُوهَ مُندكَّى فْرِمائش يرعلى ابراهيم خان

ے حذکرہ " گلزار ِابراہیم " کی حدوین کی تھی ۔ان کا مرتبہ بیہ حذکرہ ۱۹۳۴ء میں مطبع مسلم یو نیوسٹی علی گڑ ھ سے شائع ہوا۔ یہ ار دوشعراء کا ایک اہم تذکرہ ہے۔اس کے مولف علی ابراہیم خاں عظیم آباد کے ایک موضع شیخوپورہ میں ۱۳۸ ھ میں پیدا ہوئے تھے (۲) ۔ وہ ار دو کے ایک نامور مورخ ، ادیب اور شاعر تھے ۔ گورنر جنرل کارنوالس ے زیانے میں بنارس کے چیف مجسٹریٹ اور بعد میں گورنر بھی ہے ۔انھوں نے ۱۲۰۸ ھ میں بنارس ہی میں وفات پائی (>) ۔علی ابراہیم کی شہرت کا دارو مدار تذکرہ گزار ابراہیم پر ہی ہے ۔ انھوں نے یہ مذکرہ ۱۹۸ ھ میں فارسی میں لکھاتھا۔ اس میں ۱۹۸ شعراء کے حالات اور کلام کے تمونے محفوظ ہیں ۔ان کی تصانیف میں ایک اور مذکرے " صحف ابراہیم " کا بھی نام آتا ہے ۔لیکن قاضی عبد الو دو د کی رائے میں صحف ابراہیم اور گنز ار ابراہیم ایک ہی تذکرے کے دو مام ہیں (۸)۔ گرار ابراہیم اپنے عہد کا ایک اور مقبول تذکرہ تھا۔۱۸۰۰ میں فورٹ ولیم کالج کے منشی سید حیدر بخش حیدری نے " گلشن ہند" کے مام سے ار دو میں ہس کا ترجمہ اور تخیص شائع کی ۔اس کے ایک سال بعد ۱۸۰۱ء میں مرزا علی لطف نے فورٹ ولیم کے ڈا کٹر جان گلکر سٹ کے حسب الحکم " گُنشن ہند " ہی رکھا (۹) ۔مرز اعلی لطف کا مولعنہ گلشن ہند مولانا شبلی نعمانی کی ترحیب و تدوین اور مولوی عبدالحق کے پر از معلومات مقدے کے ساتھ ۱۹۰۷ء میں لاہور سے شائع ہوا ۔گزار ابراہیم میں ۱۹۹ شعراء کے احوال مذکور ہوئے ہیں جب کہ گلش ہند میں صرف میشاعروں کے حالات ورج ہیں جسیا کہ اس سے قبل مذکور ہواہے ایجمن ترتی ار دوکی فرمائش پرڈا کٹرزور نے یہ کتاب مرتب کی تھی اور اس کی طباعت لطف سے تذکرہ گلشن ہند مرتبہ شبلی نعمانی کے ساتھ ہوئی ۔زور صاحب کے مرتب متن میں ان شعراء کے حالات زیدگی اور تمنونہ کلام شامل ہے جو تذکرہ " گلشن ہند " میں شامل نہیں ہیں ۔ انھوں نے اپنے متن میں گلٹن ہند کے اضافی مواد کو شامل کیاہے اور صراحت کی ہے کہ یہ گلٹن ہند کا اضافہ ہے اور جہاں کوئی اضافہ نہیں وہاں لکھ دیاہے کہ کوئی اضافہ نہیں ہے۔اور حن شعراء کا -- مذکر ہ گزار میں اور گلشن میں نہیں ہے ، ان کے متعلق گزار کی عبارت نقل کی ہے

(۱۰) ۔ لطف نے گشن ہند میں گزار ابراہیم کے بعض مند رجات سے اختلاف کیا ہے۔ ڈاکٹرزور نے لینے مرتبہ متن میں اختلافات کی نشاند ہی بھی کی ہے۔

رودور سیسی رہا ہی مقدمہ بھی گزار ابراہیم کے آغاز میں زور صاحب نے ایک مفید اور معلوماتی مقدمہ بھی بخریر کیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ "عام طور پر تذکرہ نگار شعراء کے حالات سے زیادہ نمونہ کلام کو اہمیت دیتے ہیں ۔ لیکن علی ابراہیم نے شعراء کی زندگی کے حالات کی شخش پر زیادہ توجہ دی ہے ۔ "علی ابراہیم وہ واحد تذکرہ نویس ہیں جمخوں نے شاعرہ کے حالات اور ان کے متعلق تاریخیں جمع کرنے کی حتی الامکان کو ششیں کیں (۱۱) ۔ اس تذکر ہے کا ایک امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ اس سے بارھویں صدی بجری سے قبل شمالی ہند میں اردو ادب کی نشوو نما اور اس عہد کی مقبول و مروج اصناف سخن کے بارے میں واضح اشارے ملتے ہیں ۔

برسے یں بی کی عام روش کے مطابق گزار ابراہیم بھی حروف تہجی کے اعتبار سے
لکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر زور نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اگر یہ تذکرہ ہجائی ترتیب کے بجائے
تاریخ ترتیب کے مطابق لکھا جاتا تو اس کی افادیت اور بڑھ جاتی لیکن اس خامی کے
باوجود انھوں نے اسے ار دو کے سب تذکر وں سے بہتر قرار دیتے ہوئے لکھا ہے۔
"یہ واقعی ار دو شاعروں کی بدقسمتی ہے کہ کسی نے بھی ایک ٹھیٹ
مور خ بن کر ان کے حالات کو قلم بند نہیں کیا، لیکن اگر اس طرح
کی کوشش ملتی ہے تو علی ابراہیم خان کا زیر بحث تذکرہ ہے جو اگر چہ
شھیٹ تاریخ نقطہ نظر سے نہیں لکھا گیا ہے۔ تاہم اس لحاظ سے ار دو

ے سب عذکر وں ہے بہتر ہے۔" (۱۲)۔ کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ: اردو سے پہلے صاحب دیوان شاعر، سلطنت گولکنڈہ کے پانچویں سلطان محمد قلی قطب شاہ کے ضخیم کلیات کی تدوین ڈا کٹر زور کاسب سے اہم اور بے مثال کارنامہ ہے۔

کلیات محمد قلی قطب شاہ کو ڈا کٹر زور نے کتب خانہ ، سالار جنگ حید رآباد میں محفوظ تین مخلوطوں اور پرونسیر آغا حید رحسن کے مملوکہ ایک قلمی نینج کی مدد سے تین سال کی کڑی محنت اور جاں فشانی کے بعد مرتب و مددن کیا ہے ۔اس کتاب کی

ترتیب و تدوین کے وقت کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں مخزوینہ محمد تلی کے کلیات کا وہ اہم اور مکمل نسخہ ناپید ہو جکا تھا جس پر مولوی عبدالحق نے رسالہ ار دو بات جنوری ١٩٢٢ء ميں اكب مفصل تعارفي مضمون شائع كيا تھا ۔ كتب خانه ، سالار جنگ ميں بخزویہ کلیات محمد قلی کے مخطوطات میں ایک نہایت قدیم ہے۔اس نسخہ میں طلائی کام بیا گیاہے اور یہ باتصویر بھی ہے۔اس کی کتابت سلطان محمد قلی کی زندگی ہی میں ہوئی تھی ۔اس مخطو طے کو خاص سطلان ہی <u>ے لیے</u> بڑے اہتمام اور لواز مات کے ساتھ سیار کیا گیا تھا۔اس نیخے کی اکثرغزلوں اور نظموں میں محمد قلی نے اپنا تخلص معانی استعمال کیا ہے ۔ البتہ کہیں کہیں قطب یا قطب شہ بھی ملتا ہے ۔ کتب نمانہ سالار جنگ کا ایک اور مخطوطہ بھی شاہی نسخہ ہے لیکن میہ محمد قلی قطب شاہ کے انتقال کے بعد لکھا گیا ہے۔ اس نسخ میں اکثر مقامات پر شاعر نے اپنا تخلص قطب شہ استعمال کیا ہے ۔ای وجہ ہے بعض محققوں کو یہ غلط فہی ہوئی کہ پہلا مخطوطہ سلطان محمد قلی کا کلیات ہے اور دوسرا مخطوطہ سلطان محمد قطب شاہ کا ۔ ڈا کٹرزور نے نہایت باریک بینی اور عمد گی ہے اس غلط فہمی کو دور کیااور مستحکم دلائل کے ساتھ ثابت کیا کہ معانی اور قطب شہ محمد قلی ہی کے تخلص ہیں ۔محمد قلی کی و فات کے بعد کے مکتوبہ نسنخ میں بعض مقامات پر الفاظ بدل دیے گئے ہیں اور خصوصاً مقطعوں میں معانی کے بجائے "قطب شہ " بطور جخلص لا یا گیا ہے ۔اس تبدیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈا کٹرزور لکھتے ہیں **۔** " معلوم ہو تا ہے کہ خود سلطان محمد قلی نے آخر کو معانی کی جگہ قطب شہ تخلص کو ترجع دی تھی اس لیے پہلا دیوان مرتب ہونے کے بعد جو کھ لکھا وہ اس تخلص سے لکھا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی وفات ے بعد سلطان محمد نے اس کا کلام مرتب کرتے وقت ہرجگہ معانی نكال كر قطب شه ذال ديا هو " (١٣) -

کلیات محمد تلی کی حدوین ڈا کٹر زور کا ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جس کی ہدولت ار دو زبان میں قدیم ترین شعراء کے دواوین و کلیات کی ملاش و تحقیق اور ترمیب وحدوین کا باضابطہ آغاز ہوا شار دو میں حدوین مثن کے جنتئے بھی کام ہوئے ہیں ان میں زور صاحب کا یہ کام ایک امتیازی شان ر کھتاہے۔ڈا کٹرزور کامدون کیا ہوا یہ کلیات رائل سائز کے امکی ہزار اڑ سٹھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے ۔اس کی اشاعت ۱۹۴۰۔ میں سلسلہ ، یوسفیہ حیدرآباد کے تحت مجلس اشاعت د کئی مخطوطات کی جانب سے خاص اہمتام کے ساتھ عمل میں آئی ۔اس کتاب میں تدوین کلام ہے قبل ڈا کٹر زور نے ۳۳۵ صفّات پر مشتمثل ایک بسط اور پر مغز مقدمه بھی تحریر کیا ہے جس میں انموں نے منہ صرف سترہ مطبوعہ اور نو قلمی کتب تواریخ و سیرے تحقیقی مواد فراہم کر کے محمد قلی کے حالات و سوانح پوری تفصیل کے ساتھ قلم بند کیے ہیں بلکہ اس کے عہد کی تہذیب و ثقافت کا بھی ایک مستند و دل آویز نقشہ کھیٹیا ہے۔انھوں نے محمد قلی ک شاعری کی متقید و تحسین بھی کی ہے ۔اور اس کے کلام کی امتیازی خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے۔علاوہ ازیں اس کے کلام کی داخلی شہاد توں سے قطب شاہی عہد کے تہذیب و تمدن ، طرز معاشرت ، رسم و رواج ، شهر کی تزئین و آرائش تهذیبی اور ثقافتی آثار پر نہایت شرح و بوسط کے ساتھ واد ِ تحقیق دی ہے۔اس مقدے کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی سلمنے آتی ہے کہ سلطان محمد قلی کی شاعری کا مزاج اور ماحول خالص ہندوستانی ہے۔اس میں جابجامقامی آب و رنگ او مناظیر کی کار فرمائی نظرآتی ہے۔اس میں و کن کی مٹی کی خوشبو اور سرزمین و کن کے در ختوں کی ٹھنڈک سےہاں کے مچولوں کی مہک اور پھلوں کے کٹھے میٹھے ذاکقے کا حساس ہو تاہے۔

ڈاکٹرزورے مرتبہ کلیات محمد قلی کے پہلے جصے میں مختلف موضوعات پر لکھی ہوئی نظمیں ہیں جس کی تعداد ۲۲۰ ہے۔ ان میں حمد، نعت، محقبت، مدح سدہ فاطمت الزہرہ ۔ عید میلادالنبی، شب معراج ، مولود علی، عید غدیر، شب برات، عید رمضان، بقر عید، نوروز، بسنت اور بارہ بیاریاں وغیرہ اہم ہیں ۔ ان میں ہر موضوع پر ایک ہے زاید نظمیں ملتی ہیں جن سے شاعر کے ذہن کی وسعت اور فکر کے تنوع کا بتہ جلتا ہے زاید نظمیں ملتی ہیں جن سے شاعر کے ذہن کی وسعت اور فکر کے تنوع کا بتہ جلتا ہے۔ کلیات محمد قلی کی ۱۳۳ غزلیں ہے ۔ کلیات محمد قلی کی ۱۳ قصید کے ، ۱۳ ہیں ۔ تعیر سے میں دیگر اصناف سخن کے عنوان سے محمد قلی کے ۱۲ قصید کے ، ۲۱ ہیں ۔ تعیر مین مرشی ، چار ریختیاں اور ایک مختصر مثنوی شامل ہے ۔ کلیات کے آخر میں رباحیاں، تعین مرشی ، چار ربختیاں اور ایک مختصر مثنوی شامل ہے ۔ کلیات کے آخر میں داکھ کرون نے دکری الفاظ کی فرہنگ بھی شامل کی ہے

کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ کی تدوین زور صاحب کا ایک ایسا کار نامہ ہے کہ تہا یہی اردو اوب و تحقیق کی دنیا میں ان کے نام کی بقائے دوام کا ضامن ہونے کے لیے کافی ہے۔

طالب و مومنی: مشنوی طالب و مومنی سید محمد واله موسوی (متوفی ۱۱۹۲ه اله مراب) کی تصنیف ہے ۔ واله ایک ایرانی نژاد امیر تھے جو لینے والد سید محمد باقر موسوی خراسانی کی وفات کے بعد شہر قم سے ترک وطن کر کے شاہ عالم (۱۱۱۱ه اله / ۱۲۲۳ء) کے عہد محکومت میں وہلی آئے اور شاہی منصب داروں میں شامل ہوگئے ۔ نظام الملک سے مخلصانہ روابط کی بناپر ان کے ساتھ وہ دکن آئے اور نوابان ارکاٹ کے دربار سے متوسل ہوگئے ، انھوں نے ترجتا پلی میں مستقل طور پر سکونت اختیار کرلی اور یہیں وفات پائی ۔

والہ بہت بڑے مصنف، شاع اور انشاء پرداز تھے۔ ان کی شنوی "طالب و موہی "کو دکن میں بڑی شہرت حاصل ہوئی ۔ اس شنوی میں انھوں نے اور نگ آباد اور احمد نگر کے جنوب میں موجود عنمان آباد کے قریب واقع ایک تاریخی شہر پرینڈہ کی ایک مقبول عام عشقیہ داستان نظم کی ہے ۔ یہ مثنوی انھوں نے ۱۳۵ ھے قبل برینڈہ ہی میں تلم بند کی تھی (۱۳) ۔ طالب و موہیٰ کا قصہ ایک ہندومہاجن کی بیٹی موہیٰ اور ایک مسلمان نوجوان طالب کے عشق کی المناک داستان پر مبنی ہے ۔ طالب و موہیٰ ادارہ ادرہ ادرہ ادبیات اردو موہیٰ تبین قلمی نینے دریافت ہوئے ہیں ۔ ایک کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حید رآباد کا مخزونہ ہے ، دوسراانڈیاآفس (لندن) کی زینت ہے اور تعیرانی کہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو ایکن ترقی اردو کر ای میں محفوظ ہے ۔ ڈاکٹرزور نے اول الذکر مخطوطے کی مدد سے اس بندی کا من مرتب کر کے سلسلہ ، مطبوعات ادارہ ادبیات اردو و کے تحت ۱۹۵۰ میں شنوی کا من مرتب کر کے سلسلہ ، مطبوعات ادارہ ادبیات اردو و کے تحت ۱۹۵۰ میں شائع کیا ۔ کتاب کے آغاز میں انھوں نے ایک مختصر مقد مہ بھی لکھا ہے جس میں مصنف ادر اس کی تصنیف کا تعارف کر دایا گیا ہے ۔

بعض تحققین نے والہ کو قطب شاہی دور کاشاعر قرار ویا تھا زور صاحب نے مقد ہے میں اس خیال کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ چوں کہ والہ نے اس مثنوی میں قطب شاہی دور کے شاعرا بن نشاطی اور اس کی مثنوی " بھول بن "کا تذکر و کیا ہے غالباً اسی لیے بعض محققین نے والہ کو قطب شاہی دور کا شاعر سمجھاہ وگا۔ والہ نے یہ شنوی دراصل ابن نشاطی کی " پھول بن " کے جواب میں لکھی تھی ۔ زور صاحب کا خیال ہے کہ طالب و مومنی ، پھول بن کے مرتبہ کو نہیں جہنی ۔ ڈاکٹر زور نے اس میں لسانی اہمیت کے دو پہلو بتائے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کی تصنیف اس زمانے میں ہوئی بحب کہ دکن زوال سے دو چار تھی اور شمالی ہند کے محاور سے دکن کے شاعر و ادیب بتدرج متاثر ہور ہے تھے۔ دو سرے یہ کہ والہ ایک ایرانی نو وار دقھے ۔ انھوں نے یہ شنوی ٹھیٹ دکن زبان میں نہیں لکھی بلکہ شمالی ہند کے محاور سے ، دکن بولی اور فارس زبان کو ملاکر ایک نیا اسلوب بیدا کیا جو انھیں سے مخصوص تھا۔ ان کی زبان نہ خالص ار دو ہے نہ ٹھیٹ دکنی بلکہ دو نوں کی ملی جلی خصوصیات کا آمیزہ نظر زبان نہ خالص ار دو ہے نہ ٹھیٹ دکنی بلکہ دو نوں کی ملی جلی خصوصیات کا آمیزہ نظر

طالب ومومی کی اس اعتبار ہے بھی اہمیت ہے کہ میر کی نثنوی " دریا ہے عشق کا قصہ والمہ کی اس مثنوی ہے ماخوذ ہے (۱۵) ۔ اگر چہ کہ میر نے کہیں بھی اپنے ماخوذ کا حذ کرہ نہیں کیا تاہم دریا ہے عشق کے اکثر حصے خصوصاً اختتامیہ والمہ کی طالب و مومی کا چربہ معلوم ہوتا ہے ۔ ڈاکٹر زور کا مرتبہ متن اگر چہ کہ ایک ہی مخلوطے پر سبی ہے لیک تدیم ادب پارے کے تحفظ کے نقطہ نظر ہے اس کی اہمیت اور افاویت سے ایکن ایک تدیم ادب پارے کے تحفظ کے نقطہ نظر ہے اس کی اہمیت اور افاویت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور یہ کتاب کی حیثیت رکھتی ایک حوالہ کی کتاب کی حیثیت رکھتی میں۔

ڈا کٹر زور کے مذکورہ بالا تحقیقی و تدوین کارناموں کے علاوہ قدیم ادب سے متحلق ان کے بعض ادھورے اور نامکمل کام بھی غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں جو کسی وجہ سے منظرعام پر نہیں آسکے سہاں ڈا کٹرزور کی اس نوعیت کی تدوین خدمات پرروشنی ڈالی جاتی ہے۔

ارشاد عامد: ارشاد عامد یجاپور کے مشہور صونی شاعر برہان الدین جانم کی عارفانہ مشنوی ہے جو اسانیاتی نقطہ نظرے محققین کے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہے ۔ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد میں "ارشاد عامہ "کا ایک تلی نسخہ محفوظ ہے ۔ ڈاکٹر زور نے اس مشنوی کا متن مرتب کیا تھا ۔ مشنوی کے آغاز سے قبل انھوں نے اس کی مدد سے اس مشنوی کا متن مرتب کیا تھا ۔ مشنوی کے آغاز سے قبل انھوں نے

اکی پر از معلومات مقدمہ بھی تحریر کیا ہے جس میں انھوں نے مصنف کے آباء و اجداد، واقعات جیات اور ان کے کارناموں کاجائزہ لیا ہے ۔ ۱۸۳ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مطبع ابراہیمیہ حیدرآباد سے طبع ہوئی ۔ ڈاکٹر زور کے مرتبہ ارشاد نامے کی طباعت چوں کہ مکمل نہیں ہوسکی تھی اس لیے اس کا سال طباعت نامعلوم ہے ۔ الستبہ زور صاحب کی بعض دیگر کتابوں میں ارشاد نامے کا ذکر ملتا ہے جس کی بنیاد پر اندازہ لگیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اس کی تدوین کا کام ۱۹۳۰ء کے بعد اور ۱۹۳۰ء سے قبل کیا تھااور ۱۹۲۳ء کے قریب یہ کتاب زیر طبع تھی (۱۱)۔

زور صاحب کی مرتبہ یہ کتاب ۱۲۲۰، ابیات پر مشتمل ہے جب کہ انھوں نے
اپنی ماقبل تصانیف ار دوشہ پارے اور دکنی ادب کی تاریخ میں لکھا ہے کہ یہ مثنوی رفحائی ہزار اشعار پر مشتمل ہے ۔ مولوی عبدالحق نے بھی لینے ایک مضمون میں
"ارشاد نامہ" کے اشعار کی تعداد ڈھائی ہزار ہی بتائی ہے (۱۷) ۔اس شوی کے فوری بعد جانم کی مشہور نظم" سکھ سہیلا" نقل کی گئے ہے ۔اس کے بعد منتخبات نظم و نٹرشاہ بہان کے زیر عنوان جانم کی بعض نظموں مثلاً محبہ البقا، بشارت الذکر، منفعت بہان کے زیر عنوان جانم کی بعض نظموں مثلاً محبہ البقا، بشارت الذکر، منفعت عنوان کے برعکس اس میں نٹرکا کوئی کمونہ شامل نہیں ہے ۔ارشاد نامہ کو ڈاکٹر زور کے شاکر دمولوی اکبرالدین صدیقی نے ایک ہے زائد نخوں کی مدد سے مرتب کر کے شاکر دمولوی اکبرالدین صدیقی نے ایک ہے زائد نخوں کی مدد سے مرتب کر کے شکل میں زیور طباعت سے آراستہ کیا۔

سکھ سہیلا: ڈاکٹر زور کے مرحبہ ارشاد نامے میں جانم کی مشہور صوفیانہ نظم
"سکھ سہیلا" بھی مرحب کی ہے ۔ سکھ سہیلاکا شمار دکن کی مخصوص صوفیانہ شعری
اصناف میں ہوتا ہے ۔ جانم کے اس سہیلے میں اٹھائیس بند ہیں ۔ ہر بند چار چار
مصرعوں پر مشتمل ہے ابتدائی تین مصرمے ہم قافیہ اور چو تھا لیپ کا معرع ہے ۔
"سہیلا" اصل میں ایسی نظم کو کہتے ہیں جو تعریف میں ہو یہاں (جانم نے) اسے روحانی
معنوں میں لیا ہے (۱۸) ۔

زور صاحب نے سکھ سہیلا کے مکمل متن کی حدوین کی ہے لیکن یہ وضاحت

نہیں کی ہے کہ انھوں نے کتنے اور کون کون سے قلمی نسخوں کی مدوسے یہ متن مدون کیا ہے۔ سکھ سہیلا کے مخطوطے کتب خانہ آصفیہ ، کتب خانہ سالار جنگ اور کتب خانہ عامعہ عثمانیہ میں موجود ہیں ۔ ڈاکٹر زور کا مرتبہ متن نسخہ آصفیہ کے متن سے متعدد مقامات پر مختلف ہے (۱۹) ۔ برہان الدین جانم کے سکھ سہیلا کو ڈاکٹر حفیظ سید نے انگریزی مقدے اور حواشی کے ساتھ مرتب کیا ہے جو الہ آباد یونی ورسٹی اسٹریز میں بشامل ہے (۲۰)۔

ڈا کٹر زور نے دہستان بیجاپور کو شاہ کار اور بے نظیر مثنوی ابراہیم نامہ: " ابراہیم نامہ " کی بھی تدوین کی تھی ۔ابراہیم نامہ عبدل کی تصنیف ہے ۔عبدل کے حالات پردہ ٔ خفا میں ہیں منتنوی کی واخلی شہاد توں سے بتیہ چلتا ہے کہ وہ سلطان ابراہیم عادل شاہ تانی کے دور سے تعلق رکھا تھا ۔ید متنوی ۱۹۰۳ء کی تصنیف ہے۔ تاحال ابراہیم نامہ کے صرف دو نخطو طات دستیاب ہوئے ہیں سامک کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد کی زینت ہے اور دو سرا راجہ او ندھ (مہاراشٹرا) کے کتب خانے میں محفوظ ہے ۔ڈا کٹرزور نے اول الذکر نسخے ہے اس شنوی کامتن میار کر کے طبع کر وایا تھا لیکن کسی وجہ سے یہ کام پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکااور اس کتاب کی اشاعت عمل میں مہ آسکی ۔ یہ کتاب مجلس اشاعت و کن مخطوطات کی جانب سے ۱۹۳۹ء میں مطبع ابراہیمیہ خيدرآباد ميں طبع ہوئی سبحالت موجودہ ڈا کٹر زور کامرتبہ ابراہیم نامہ 6 صفحات پر سن ہے اس میں مقدمہ نہیں ہے۔ مشکل اور غیر مانوس الفاظ کے معنی ان کے نیجے خفی قلم سے درج کیے گئے ہیں (۲۱) ۔عبدل کی یہ شنوی تاریخی اور لسانی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس اہمیت اور افادیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ڈا کٹر مسعود حسین خان نے نمخہ سالار جنگ اور نمخہ او ندھ کے تقابل سے اس مثنوی کو مرتب کیا اور ک عالمانه مقدمے اور حوالہ و فرہنگ کے ساتھ ۱۹۲۹ء میں شعبہ نسانیات علی گڈھ ملم یونی ورسیٰ سے شائع کیا۔ جتاب ویوی سنگھ چوہان نے بمسی سے اس مثنوی کو ب^{و نا}گری رسم اللام**یں شائع** کروایا۔ یونالری رسم الطامیں شامع کروایا۔ باج الحقائق: (اکثرزورے مامکمل تحقیقی و تدوین منصوبوں میں و کن نیز ک

شہور کتاب " تاج الحقائق " کی تدوین بھی شامل ہے۔اس کا ایک مخطوط کتب خانہ

سالار جنگ حید آباد کی زینت ہے۔ ڈاکٹر زور نے تاج الحقائق کا متن اس نیخ کی مدو

ہے مرتب کیا تھا۔ اس کتاب کا بڑا حصہ طبع بھی ہو چکا تھا۔ لیکن بعد میں یہ کام تعویق

میں پڑتا گیا۔ ڈاکٹر زور اس کتاب کو سلسلہ یوسفیہ کے تحت چیپوانا چلہتے تھے۔
موجودہ صورت میں یہ نیخہ ۸۰ صفحات اور تین ابواب پر مشتمل ہے۔ کتب خانہ ادارہ او بیات اردو حید رآباد میں محفوظ اس کتاب کے سرور ق پر" تاج الحقائق "شاہ میراں جی شمس العشاق مرتبہ زور درج ہے۔ ڈاکٹر زور نے اس نیخ کے بعض مقامات پر کائب کی غلطیوں کی اصلاح کی ہاور ایک صفحہ پر (ص ۵۵ پر) انھوں نے "بعد اصلاح پرون ثانی روانہ کریں " تحریر کر کے وستحظ اور تاریخ (اسه۔۲۵) درج کی ہے۔ جس سے بیت خاتی روانہ کریں چنوری ۱۹۳۹ء میں برون سے حیات کے بیت کتا ہے کہ یہ کتا ہے کو یہ کتا ہے کہ یہ کتا ہے کتا ہے کہ یہ کتا ہے کر یہ کتا ہے کہ یہ کتا ہے کتا ہے کتا ہے کتا ہے کہ یہ کتا ہے کا کتا ہے کہ یہ کتا ہے کر یہ کتا ہے کر ان کا کر ان کر

تاج الحقائق کے مصنف کے بارے میں محققوں کے خیالات میں اختکاف پایا جاتا ہے۔ بعض محققین بنہیں ملنے لیکن ابعض اے وہی کی تصنیف نہیں ملنے لیکن بعض اے وہی کی تصنیف سلیم کرتے ہیں۔ کتب خانہ سالار جتگ میں محفوظ نخہ کی پیشانی پر لکھا ہے "میراں ہی شمس العشاق "نیز ترقیع میں "سب رس تصنیف میراں جی شمس العشاق "(۲۳) سے الفاظ ورج ہیں ۔ تاج الختائق کے مصنف کے تعلق ہے زور صاحب نے قطعی رائے قائم نہیں کی تھی۔ اپنی تحریروں میں انھوں نے کہیں اے وہی کی تصنیف برایا ہے کی تصنیف برایا ہے کہ کاظہار کیا ہے۔ کی ٹھوس جود کی میں انھوں نے شک و لیجی کاظہار کیا ہے۔ کسی ٹھوس جود کی میں انھوں نے شک و لیجی کاظہار کیا ہے۔ کسی ٹھوس جود کی میں انھوں نے شک و لیقین کی ملی جلی کیفیت ہے۔ کسی ٹھوس جود کی میں انھوں نے شک و لیقین کی ملی جلی کیفیت ہے۔ اس کی اشاعت کاکام مکمل نہیں کیا اور تقریباً ۲۰ سال بعد ڈا کر نور السعید اختر نے چار مخطوطی کی مدو سے تاج الحقائق کے مین کی حدوین کر کے جمعنی یو نیور سی اختر نے جار مخطوطی کی مدو سے تاج الحقائق کے مین کی حدوین کر کے جمعنی یو نیور سی مرتبہ کیا ہو کی گری کی ہوئی۔

مندر جبہ بالا کتب کے علاوہ ڈا کٹر زور نے دکن اور شمال کے قدیم اور عہد متوسط سے تعلق رکھنے والے بعض شعراکے کلام کے انتخابات بھی لینے مفید اور جامع مقدموں کے ساتھ شائع کیے ۔ ذیل میں ان پر طائرانہ نظر ڈالی جاتی ہے ۔ منتخبات پر مشتمل ایک کتاب معانی سخن کے نام سے مرتب کی تھی جس میں انھوں نے محمد تلی کی نظموں ، غزلوں ، قصیدوں ، رباعیوں ادر مراثی کا انتخاب شامل کیا ہے ۔ ا بتدام میں صباچہ عمو می ہے اور اس کے بعد ایک محتصر مقد مہ بھی ہے جس میں محمد تلی قطب شاہ اور اس کی شاعری کے بارے میں اہم باتوں کا احاطہ کیا گیا ہے اور آخر میں مشکل الفاظ کی فرہنگ بھی دی گئ ہے۔ بقول ڈا کمڑسیدہ جعفر" معانی سخن " کلام محمد تلی قطب شاہ کا ایک اچھاا نتخاب ہے اور اس کی شاعری کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے ۔ ڈا کٹرزورنے یہ نکتہ پلیش نظرر کھاہے کہ ایسی نظموں کاا نتخاب کیاجائے حن سے شاعر کے طرز اداادر اس کے تفوص تصورات کی بخوبی ترجمانی ہوسکے ۔اور اس مقصد میں ڈا کمڑزور اس لیے بھی کامیاب رہے کہ انھوں نے کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ کے مقدے میں شاعر کی شخصیت اور اس کے کلام کی خصو صیات پرر وشنی ڈالی تھی (۲۲)۔ ڈا کٹر زور کے بعد ڈا کٹر جاوید و ششٹ نے ۱۹۲۸۔ میں "غزال رعنا " کے نام سے محمد اکبرالدین صدیقی نے ۱۹۷۴ء میں " انتخاب محمد قلی قطب شاہ " کے عنوان ہے محمد رفیق اسلم نے ۱۹۷۸ء میں " انتخاب معانی " کے نام سے اور ڈا کڑ سیدہ جعفر نے ١٩٨٩ء ميں " انتخاب كلام تلى قطب شاہ " كے عنوان سے محمد تلى كى شاعرى كے انتخابات شالُع کئے۔

فصص خوب ترنگ: خوب ترنگ گرات کے مشہور صوفی شاع خوب محمد حیث کی صوفیانہ شنوی ہے۔ جس میں انھوں نے حکایات و تمثیلات کے ذریعے معرفت کے مسائل کی تقہیم کی ہے۔ ڈا کر زور نے اس شنوی سے کچھ نقیحت آموز قصوں کا انتخاب مرتب کیا تھا ۔ یہ کتاب Les cotes du Hub Tarang کے دیر مغوان الشائک جرنل (بیری) بات متمبر ۱۹۳۳ء میں ایک طویل مقالے کی شکل میں شائع ہوئی ۔ ای کے آف پر نٹس کو انھوں نے کتابی صورت میں شائع کیا ۔ اس میں شائع ہوئی ۔ اس کے آف پر نٹس کو انھوں نے کتابی صورت میں شائع کیا ۔ اس میں انھوں نے خوب ترنگ میں منظوم چند حکایتوں کا میں بیش کیا ہے ۔ حواثی میں اختکاف نے کی نشاند ہی بھی کی ہے ۔ کتاب کا مقد مہ زور صاحب نے فرانسیسی زبان اختکاف نے کی نشاند ہی بھی کی ہے ۔ کتاب کا مقد مہ زور صاحب نے فرانسیسی زبان کی تصنیف کا مخصر تعارف کلی نوں کی

اردو شاعری کاانتخاب: ۱۹۷۰ء میں دا کرزور نے ساہتیہ اکیڈی کی فرمائش برار دو شاعری کا انتخاب بھی مرتب کیا تھا ۔ ۳۰۶ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں ار دو کے بہترین اور ایسے اپنے دور اور مکتب خیال کے نمائندہ ۸ اشعراء کے منتخب کلام کا انتخاب ، پیش کیا گیا ہے ۔ ہر شاعرے کلام سے پہلے چند سطور میں اس واقعات جیات اور شاعری کے بارے میں اہم معلومات قلم بند کی گئی ہیں ۔ ڈا کٹر زور نے یہ انتخاب پانچ سال کی محنت کے بعد مرتب کیالیکن اس کے باوجود اس میں ترتیب و تدوین کی بعض خامیاں رہ گئیں جن کی طرف بعض محققین نے توجہ ولائی ہے (۲۹) سکتاب کے آغاز میں ایک مختصر سا دیباچہ ہے اور آخر میں اعتذار کے عنوان سے ان شعراء کی فہرست پیش کی گئے ہے جن کا کلام باوجو د استحقاق کے کسی وجہ سے اس انتخاب میں باریہ پاسکا سخن سیریز: ڈا کٹرزور نے ماضی قریب سے تعلق رکھنے والے و کن کے مختلف اساتذہ سن کے کلام کا انتخاب بھی مرتب کر کے شائع کیا۔ان کے مرتب انتخابات کے مام اس طرح ہیں ۔

> رمز یخن :سدانندجوگی بہاری لال رمز کے کلام کا انتخاب بادہ سخن :ڈاکٹر احمد حسین مائل کے کلام کا انتخاب کیف سخن :سیدر منی الدین حسن کیفی کے کلام کا انتخاب متاع سخن :نواب عزیز جنگ کے کلام کا انتخاب

فىف سخن

:میرشمس الدین فیض کے کلام کا نتخاب

ڈا کٹرزور کی ترتیب و تدوین سے متعلق ان کتابوں کے اس تفصیلی جائزے سے واضح ہوتا ہے کہ دکنی اوب کی تاریخ ۔ تحقیق و تنقید اور لسانیات کے علاوہ تدوین میں کے شعبے میں بھی افھوں نے انمٹ نقوش چھوڑ ہے ہیں۔ متقد مین اور معاصرین میں بہت کم محقق اس شعبے میں ان کی ہم سری کر سکتے ہیں۔

حواشي:

- وْ اکْرْ نَمْیان چند شحقیق کا فن مِس ۲۷ م -(1)
- ڈاکٹر کمیان چند ۔ تحقیق کا فن مص ۴۲۷ ۔ (r)
- به حواله نمیاد ور سلکمئن اکست ۱۹۹۷ مرم ۷۱ س (P)
 - وْاكْرْ خْلِيقِ الْجُمْ سِمَّتَىٰ تَنْغَيدِ مِن ١٩-(r)
- ادبی تحقیق مسئل اور فجزیه (از رشید حسن نماں) م ۹ ۸ مه (0)
- وْاكْرْ اكْبِر عَلَى بِيكَ مِرْزَ الطَفْ حياتِ اور كار نامے مِس ١٠٠٤ (4)
- دُ اکْرُ زُور کی فار می خدمات از نور الاسلام صدیقی -مشوله محی الدین قادری زور -ص ۱۳۹-(4)
 - مرز اعلی بطغیہ حیات اور کار ناہے مص ااا۔ (A)

 - مرز اعلی بطف حیات اور کار نامے میں ۲ ۳ (+)
 - مرز اعلی بطف حیات اور کار نامے مص ۱۳۳ (1.)
 - ڈاکٹرزور ۔تذکرہ گزار ابراہیم -م**ں ۳۳**۔ (11)
- وْ اكْمُرْ بُورِ الاسلام صديقي وْ اكْمُرْزُ و ركى فارسى خدمات مِص ١٣٩ممثوله حي الدين قادري زور (ir)
 - دُ اكثر زور مسلطان محد تلي قطب شاه رم ١١٣ مر (11)
- معين الدين بينا برك منوى طالب و موئى مثوله بازيافت (تحقيق علم كثيريونيورسي) ١٩٩٤. -(10)
 - مدارس میں ار دو ۔نعسیرالدین ہاشی میں ۲۹ ۔ (10)
 - ثمد نسيم الله ين فريس دُا كُرُ زور اور تدوين من سسب رس حيد رآباد دسمبر ١٩٩٦ . رص ٣٣ س (F1)
 - مولوی عبدالی مقدیم ار دو سکر ای ۱۹ ۹۱ه سم ۵ ۱۳ م (14)
 - ایعنائس ۲۲۰ (IA)
 - به حواله مب رس حيد رآباد مدىم ر ١٩٩١ ، من ١٣٠٠ م (14)
 - قدیم ار دو محید رآباد (ارشاد ناسه) ۱۹۷۱، مص مهر (r.)
 - سب دس محيدرآباد مرم ١٩٩١ من ٢٧ م (11)
 - به حواله مب رس محيد رآباد محنوري ١٩٩٠ من ١١٠ (rr)
 - به حواله سب رس محيد رآباد محنوري ١٩٩٠ من ١١٦٠ (rr
 - (11
 - ڈاکٹر سیدہ جعفر۔ڈاکٹر زور م**ں ۶۴۔۹۵۔** (ra)
 - به حواله سب رس محد رآباد مرمر ۱۹۹۸ من ۲۴ م
 - وشيد حسن نمال -اوبي تحقيق مسائل اور تجزيه من ١١٨ ١٥٨-(r1)

(''نعت رسول خدا'' کے بارے میں مشاہیرادب کے تاثرات

" حضور اکرم کی مدح و شاء اور آپ کا بیان ایک سعادت ہے۔ جو محمہ علی آثر کو حاصل ہوئی ہے۔ آثر نے بہلی بار اتنی طویل نعت کی ہے۔ ان کی بیہ نعت شریف کی حیثیتوں ہے اردو نعت کی تاریخ میں ایک منفر دمقام رکھتی ہے۔ سب ہے بہلی بات اس کا عنوان ہی تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ "نعت رسول خدا" کے اعداد ہے اس کی تاریخ تصنیف عنوان ہی تاریخ حیثیت رکھتا ہے۔ "نعت رسول خدا" کے اعداد ہے اس کی تاریخ تصنیف اسم مبارک "محمد" کے اعداد کے کوئی سوسے زیادہ اسما ہے مبارک اس میں ملتے ہیں۔ چو تھی بات یہ کہ اپنی نوعیت کی میہ طویل ترین نعت ہے۔ "

– (پروفیسریوسف سر مست)

''نعت رسول خدا'' درود وسلام پر مشمل نعتیہ نظم ہے۔ جس کی تخلیق و تحریر کی سعادت ڈاکٹر محمہ علی آثر کے جصے میں آئی ہے۔ ان کی اس نظم کو پڑھتے ہوئے ہے اختیار چشم سیاسے اشک ہاے عقیدت رواں ہو جاتے ہیں اور دل گواہی دینے لگتا ہے کہ ڈاکٹر آثر کا سینہ یقینا عشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ایسی کیفیت جو دل و دماغ کو اک گونہ نقد س و ترفع ہے ہم کنار کر دے کسی سطحی اور کھو کھلی تخلیق سے عیاں ہویہ نا ممکن و محال ہے۔''
و ترفع ہے ہم کنار کر دے کسی سطحی اور کھو کھلی تخلیق سے عیاں ہویہ نا ممکن و محال ہے۔''

" میں نے اس نعت مسلسل کے تمام اشعار بہ یک وقت پڑھ لیے اور آپ کی بے پناہ تخلیقی صلاحیت کا قام کی اور آپ کی بے ہاہ تخلیقی صلاحیت کا قام کی ایس ایس ایس ایس ایس ایس کی سیاحیت کا قام کی پیدا

کرسکتاہے۔"

- (شان بھارتی ایڈیٹر سہ ماہی "رنگ" و هنإد)

gggggggggggggggg قطعه ُ تاريخُ اشاعت "مقالات اثر" تصنيف: واكم محرعلى اثر ادب کو مل گئے افکار کے جوہر ہراک مضمون میں ہے فکر کی خو شبو یہ تاریخ طباعت ہے شکیل اس کی مقالات اثر " تحقیق کے جگنو نتيجه فكر: جناب فاروق شكيل aaaaaaaaaaaa

